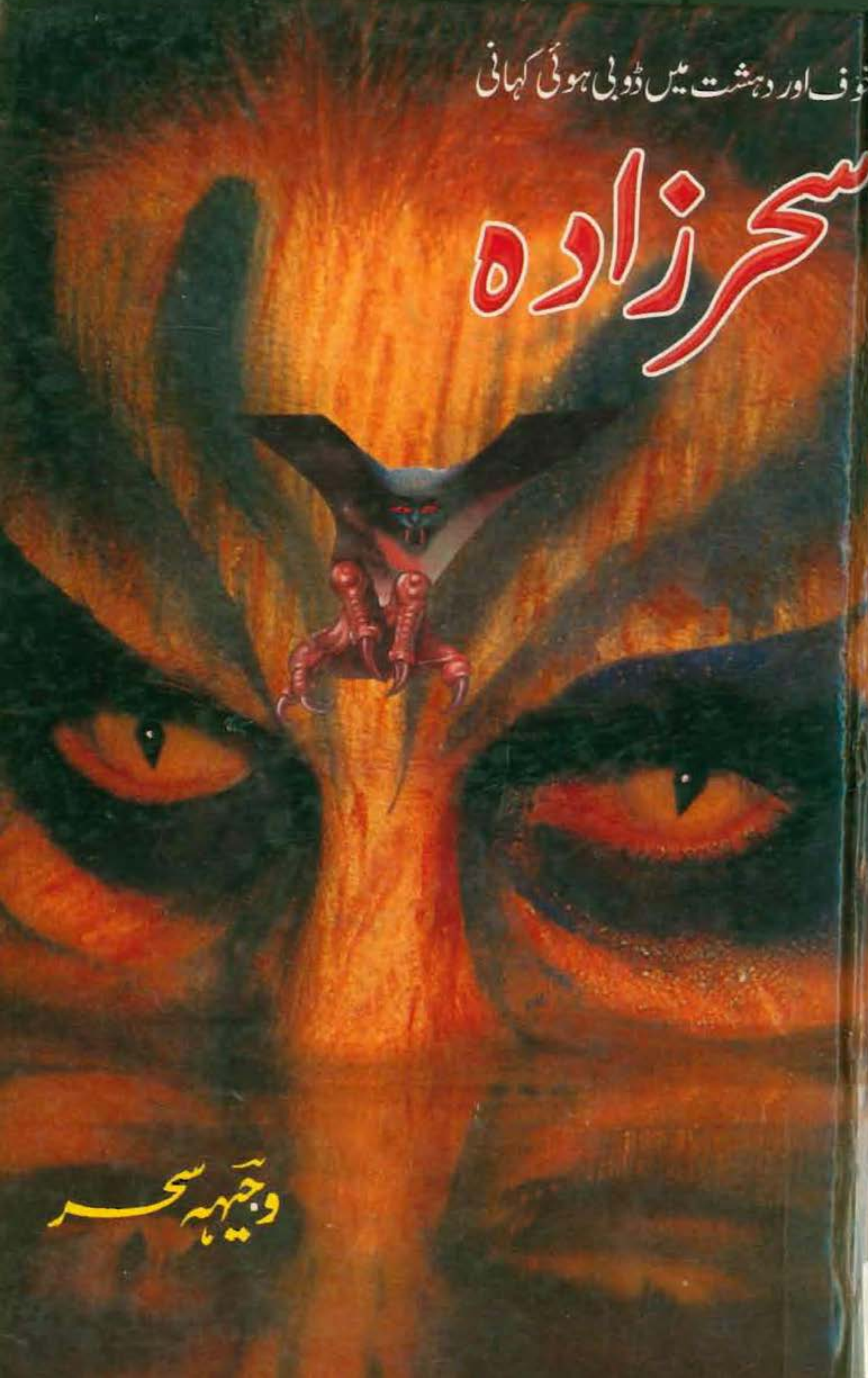
خوف اور دہشت میں ڈوبی ہوئی کہانی
سحر زادہ
وجیہہ سحر

خوف اور دہشت میں لپٹی ہوئی سحر انگیز داستان
کمزور دل حضرات اس ناول کو اکیلے میں نہ پڑھیں

سحرزادہ

وجیہہ سحر

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

ناشر
علی میاں پبلی کیشنز
۲۰-عزیز مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔ فون ۷۲۴۷۴۱۴

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

باراوّل ـــــــ ۱۹۹۹ء
مطبع ـــــــ یو اینڈ می پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ ـــــــ المدینہ کمپوزنگ سنٹر، لاہور
قیمت ـــــــ ۸۷ روپے

ISBN 969-8429-89-1

اسٹاکسٹ
علی بُک سٹال
نسبت روڈ، چوک میو ہسپتال
لاہور فون، ۷۲۲۳۸۵۳

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

جاگیردار زیب خان اپنی جاگیر کے گشت پر تھا۔ اسلحہ سے لیس افراد سے بھری اُس کی جیپ سنگلاخ راستوں پر دوڑ رہی تھی۔ وہ اپنے ہر گاؤں میں تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے رُکتا تو حاجت مندوں کی ایک قطار اُس کے سامنے کھڑی ہو جاتی۔ وہ اُن کے مسائل حل کرتا اور آگے بڑھ جاتا۔ وہ انتہائی وسیع و عریض جاگیر کا مالک تھا۔ دولت تو اُس کے قدموں کی جیسے دھول تھی لیکن اُس کی اِس شاہانہ زندگی میں ایک محرومی اُس کی زندگی کا ناسور بن گئی تھی۔ اور وہ محرومی تھی اُس کا بے اولاد ہونا۔ جس کی وجہ سے وہ سب کچھ ہونے کے باوجود خود کو قلاش محسوس کرتا لیکن اُس نے اپنی بیوی زرقا بیگم کو کبھی بھی اِس بات کا احساس ہونے نہیں دیا۔ وہ ہمیشہ زرقا بیگم کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا۔

جبکہ زرقا بیگم کی کیفیت بھی بالکل یہی تھی۔ بے اولاد ہونے کا غم اُس کے دِل کو دیمک کی طرح چمٹ گیا تھا لیکن وہ زیب خان کے سامنے ہمیشہ خوش رہتی۔

زیب خان کی جاگیر میں ایک ایسا علاقہ بھی شامل تھا جو تقریباً ویران تھا۔ آبادی سے دور یہ ویران علاقہ سنگلاخ اور پتھریلی زمینوں پر مشتمل تھا۔ جاگیر کے گشت کے دوران ٹھہرنے کے لیے زیب خان نے اِسی علاقے میں ایک عالیشان کوٹھی تعمیر کروائی ہوئی تھی۔ جس کے قریب دو کنال زمین پر اُس کے گھوڑوں کا فارم تھا۔ جس میں خوبصورت گھوڑوں کی موجودگی نے اُس علاقے کو خوبصورت بنایا ہوا تھا۔

اصطبل کے چاروں اطراف میں خوبصورت جنگلے لگے ہوئے تھے۔ جس میں گھوڑے بہت خوبصورت انداز میں دوڑتے پھرتے تھے۔ اِس میدان کے ساتھ ہی ایسے کمرے بنائے گئے تھے جہاں رات کے وقت اِن گھوڑوں کو باندھ دیا جاتا۔ خوبصورت گھوڑے زیب خان کی کمزوری تھے۔

جب زیب خان نے اپنی ساری جاگیر کا جائزہ لے لیا تو وہ اپنے دوستوں سمیت تھک ہار کر رات کے آٹھ بجے اپنی کوٹھی پر پہنچا۔ اُن سب نے کھانا کھایا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد زیب خان کے دوست سونے کے لیے مختلف کمروں میں چلے گئے۔

زیب خان بھی اپنے بیڈ روم میں داخل ہوا۔

دسمبر کا مہینہ تھا۔ شدید سردی پڑ رہی تھی۔ زیب خان اپنے ہاتھوں کو ملتا ہوا آتش دان کی طرف بڑھا اور لائٹر سے آگ لگا کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔

سردی کی اِس ٹھٹھرتی ہوئی فضا میں کوٹھی سے باہر کا سارا علاقہ سفید دھند میں ڈھکا ہوا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے آسمان کے سارے بادل اِس علاقے میں ہی اُتر گئے ہوں۔

زیب خان کی یہ عادت تھی کہ وہ رات ایک بجے سے پہلے نہیں سوتا تھا۔ اُس نے اپنے سگار کی ڈبہ کھولا اور ایک سگار سلگایا۔ پھر اُس نے اپنے کمرے کی بڑی لائٹ بند کی اور زیرو وولٹ بلب جلا کر Hanging Chair پر بیٹھ گیا۔

وہ تھوڑا تھوڑا جھولتا رہا اور سگار پیتا رہا۔

زیب خان کافی دیر تک اِسی کیفیت میں بیٹھا رہا جیسے وہ کسی گہری سوچ میں کھو گیا ہو۔ رات کا یہ پہر بہت خوفناک تھا۔ پورے علاقے میں گہری اور پُراسرار خاموشی چھائی ہوئی تھی اور اِن گھمبیر سناٹوں میں جنگلی جانوروں کی آوازوں نے ایک دہشت پھیلا رکھی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے پونے بارہ بج گئے لیکن اِس وقت بھی نیند زیب خان

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ اپنی سوچ کی بھول بھلیوں میں اِس طرح گم تھا، گویا کہ اُسے کوئی تنہائی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

وال کلاک کی سوئیاں بارہ کے ہندسے پر پہنچیں تو وال کلاک سے دلفریب میوزک کے سُر ابھرنے لگے۔

میوزک کی اِس آواز پر زیب خان نے جھرجھری سی لی اور اپنی کیفیت کو توڑتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ غالباً اب اُس کا سونے کا ارادہ تھا۔ اُس نے ایش ٹرے میں اپنا سگار بجھایا اور ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے بیڈ کی طرف بڑھا۔

وہ بیڈ کے قریب پہنچا ہی تھا کہ ایک دم سے وہ ٹھٹک کر رہ گیا۔ اپنے کمرے کی کھڑکی کی طرف سے اُسے عجیب سا شور سنائی دیا۔ جیسے بہت سی لڑکیاں پازیبیں پہنے ہوئے اٹکھیلیاں کر رہی ہوں وہ بغیر کسی خوف کے تیز تیز قدموں سے کھڑکی کی طرف بڑھا اور جھٹ سے کھڑکی کھول دی لیکن یہ دیکھ کر وہ سُن سا ہو گیا کہ باہر کسی چیز کا نام و نشان نہیں تھا لیکن وہ آوازیں مسلسل آرہی تھیں۔ زیب خان نے ذرا غور کیا تو اُسے محسوس ہوا کہ یہ آوازیں اصطبل سے آرہی ہیں۔

یوں لگ رہا تھا جیسے ہنستی کھیلتی ہوئی بہت سی لڑکیوں نے اصطبل میں ایک ہنگامہ سا برپا کیا ہوا ہو۔

اصطبل سفید دھند میں اِس طرح چھپا ہوا تھا کہ زیب خان کو یہ گمان ہونے لگا کہ شاید لڑکیاں اصطبل میں ہی چھپی ہوئی ہیں لیکن پھر یہ خیال اُسے خائف کر دیتا کہ اصطبل تو بالکل خالی ہے۔

رات کا یہ پہر اتنا پُراسرار بن گیا کہ زیب خان جیسے بہادر آدمی نے تیزی سے کھڑکی بند کر دی۔ تقریباً ایک گھنٹے تک گہما گہمی کا یہ حیرت ناک شور سنائی دیتا رہا۔ پھر یک لخت ہر طرف وہی سکوت چھا گیا لیکن سنسناہٹ کے اِس جھٹکے نے زیب خان کو رات بھر سونے نہ دیا۔ صبح ناشتے پر زیب خان نے رات کے واقعے کا ذکر اپنے

دوستوں سے کیا تو انہوں نے اُس کی بات مضحکہ آمیز انداز میں سنی اور اِس واقعہ کو اُس کا وہم قرار دے دیا۔

"ٹھیک ہے بھئی! اگر تم لوگوں کو یقین نہیں آتا تو نہ سہی۔ میرے پاس وقت بھی نہیں ہے تمہیں یقین دلانے کا"۔ زیب خان نے سرد مہری سے کہا اور اپنی کرسی سے اُٹھتے ہوئے نوکر سے مخاطب ہوا۔ "فضلو! چلو میرے ساتھ آؤ۔ دیکھتے ہیں اصطبل میں کون سے نئے گھوڑے آئے ہیں"۔

یہ کہہ کر زیب خان نے اپنا اوور کوٹ پہنا اور کوٹھی سے باہر آگیا۔ صبح کے سات بجے ہوئے تھے۔ ہر طرف دھند تو چھائی ہوئی تھی لیکن اتنی خفیف تھی کہ ہر چیز ایک خوبصورت تاثر کے ساتھ دکھائی دے رہی تھی۔

پرندوں کی چہچہاہٹ سے پوری فضا مہکی ہوئی تھی۔ زیب خان نے سکون کی اِس فضا میں ایک لمبا سانس کھینچا تو ہوا کی ایک سرد لہر اُس کے پورے وجود میں دوڑ گئی۔ اُس نے کپکپی سی لی اور پھر مسکراتے ہوئے فارم کی طرف دیکھنے لگا۔ جہاں خوبصورت گھوڑے انتہائی شاہانہ انداز میں دوڑ رہے تھے۔

یہ منظر انتہائی دلفریب تھا۔ وہ یہ خوبصورت منظر دیکھ کر اپنی نگاہوں کو تسکین دے رہا تھا۔ اور دل ہی دل میں خوش رہا تھا۔

ہوا کو چیرتے ہوئے جب یہ گھوڑے آگے کی طرف دوڑتے تو اُن کی گردنوں سے پیوست سفید لمبے بال ہوا کے تھپیڑوں میں لہرانے لگتے۔ اِن گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور ٹاپوں کی آواز پورے علاقے میں گونج رہی تھی۔

اتنے خوبصورت ماحول میں یک لخت ایک کہرام سے برپا ہوگیا۔ نہ جانے فارم میں کیا ہوا کہ تمام گھوڑوں میں افراتفری پھیل گئی۔

گھوڑے ایک خوفناک ہنہناہٹ کے ساتھ اگلی دونوں ٹانگیں اُٹھائے اوپر کی طرف بلند ہوتے اور پھر خوفزدہ ہو کر بھاگنا شروع کر دیتے۔ وہ اِس انداز سے بھاگ

رہے تھے جیسے کسی اَن دیکھی مخلوق کے خوف سے وہ رخ کا تعین ہی نہ کر پا رہے ہوں۔ جس کی وجہ سے وہ آپس میں اِس طرح ٹکرا رہے تھے کہ بہت سے گھوڑے شدید زخمی ہو گئے۔

زیب خان کے چار نوکر جان کی پرواہ کیے بغیر اصطبل میں کود پڑے۔

زیب خان اصطبل کی گرل تھامے چلّا رہا تھا۔

"تم لوگ کیوں کود پڑے۔ یہ گھوڑے تمہیں روند دیں گے۔ باہر آجاؤ۔ میں کچھ بندوبست کرتا ہوں۔"

زیب خان نے پریشانی سے اپنا سر پکڑ لیا۔ اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اُس کے ملازم بھی زخمی حالت میں اصطبل سے باہر کودے۔ زیب خان کی آنکھوں کے سامنے اُس کے خوبصورت گھوڑے آپس میں تصادم سے لہولہان ہو رہے تھے۔

پریشانی سے زیب خان کی آنکھیں سرخ ہوگئیں۔ اُس نے اپنا سر پکڑتے ہوئے کہا۔ "آخر انہیں ایسا کیا نظر آگیا ہے۔" ابھی یہ الفاظ اُس کی زبان سے ادا ہی ہوئے تھے کہ اُس کی آنکھوں کو ایک واہمہ سا ہوا۔ جیسے گھوڑوں کے بیچ کوئی سفید رنگ کی چیز ہے۔ اُس نے اپنے سر کو جھٹک کے دوبارہ دیکھا تو اُسے ویسا ہی کچھ تھوڑے فاصلے پر نظر آیا۔ گویا کہ گھوڑوں کے درمیان سے کوئی غیر مرئی چیز گزر رہی تھی۔

زیب خان کو نہ جانے کیا ہوا کہ وہ اپنی جگہ پر ہی جامد ہوگیا۔ اُس کی نگاہیں اُس سفید عکس پر ٹھہر سی گئیں اور اُس عکس کا تعاقب کرنے لگیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ عکس گھوڑوں کے بیچ میں سے نکل گیا۔ پھر وہ عکس زیب خان کی نگاہوں سے اوجھل ہوگیا لیکن کچھ ہی دیر بعد زیب خان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ ساکت ہو کے رہ گیا۔ اُس کی نگاہوں کے سامنے گراؤنڈ کے خالی حصے میں سفید لباس میں ملبوس ایک انتہائی خوبصورت دوشیزہ کھڑی تھی۔ اُس کی خوبصورتی حور سے

مشابہ تھی اُس کے سنہری لمبے بال گھٹنوں تک آرہے تھے۔ دھند کے باعث زیب خان اُس کا چہرہ نہیں دیکھ پارہا تھا۔

اُس نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں اپنے ایک دوست سے کہا۔ "و............ و............ وہ دیکھو! اصطبل میں کیا ہے۔"

"کیا ہے۔ صرف گھوڑے ہیں۔ اور کیا ہے؟" اُس کے دوست نے حیرت سے کہا۔

"کیا تمہیں وہ لڑکی دکھائی نہیں دے رہی؟" زیب خان اپنے دوست سے الجھنے لگا۔

زیب خان کے دوست نے ایسی نظروں سے زیب خان کی طرف دیکھا جیسے زیب خان کی دماغی حالت پر شک ہو رہا ہو۔ اس نے وہاں سے کھسک جانا ہی بہتر سمجھا۔

لیکن زیب خان کو وہ لڑکی ابھی تک دِکھائی دے رہی تھی۔ پھر رفتہ رفتہ اُس کا وجود دھند میں اوجھل ہوگیا پُراسرار لڑکی کے غائب ہوتے ہی گھوڑوں میں بے چینی ختم ہوگئی۔

☆==========☆==========☆

اگلے روز زیب خان کے دوست اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے لیکن زیب خان کسی کام کے سلسلے میں دو روز کے لیے وہیں ٹھہرگیا۔ اب اُس کے ساتھ اُس کا خادم فضلو تھا۔ سارا دِن زیب خان اپنی جاگیر کے کام نمٹاتا رہا رات کو تھک کے وہ اپنی کوٹھی میں آیا تو فضلو بابا نے کھانا تیار کررکھا تھا۔ زیب خان نے کھانا کھایا اور فارغ ہوکے اپنی بیوی زرقا کو فون کیا۔

زرقا نے فون اٹھایا تو زیب خان کی آواز سن کر وہ غصے سے بولی۔ "کیوں جی! گھر سے کیا دور ہوئے' اتنے لاپرواہ ہوگئے۔ فون تک نہ کیا کہ میں دو دِن مزید رُک رہا

ہوں۔ وہ تو آپ کے دوست نے مجھے بتایا۔ میں تو آپ کا انتظار کر رہی تھی۔"

"بھئی معاف کردو! آئندہ ایسی بھول نہ ہوگی۔ بس میں کل کا دِن مزید رکوں گا۔ پرسوں انشاء اللہ گھر پر ہوں گا۔ تمہارے لیے جو تحفہ لارہا ہوں نا' اُسے دیکھ کر سارا غصہ بھول جاؤ گی۔"

"اِس گھر کی سب خوشیاں تو آپ کے دَم سے ہیں۔ بس آپ آجایئے............ اور کتنے تحائف دیں گے مجھے؟"

"بھئی یہ تحفہ اتنا بڑا نہیں ہے۔ ہاں اگر خلوص کا حساب لگاؤ تو بہت قیمتی ہے۔" زیب خان کی یہ بات سن کر زرقا کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"تمہیں چوڑیاں بہت پسند ہیں نا۔ میں نے تمہارے لیے بالکل نئے ڈیزائن کی سونے کی چوڑیاں بنوائی ہیں"۔

"بعض اوقات مجھے اپنے آپ پر رشک آتا ہے کہ مجھے آپ جیسا شوہر ملا۔ خدا میری عمر بھی آپ کو لگادے۔"

زرقا نے گلوگیر لہجے میں کہا۔ جیسے اُس کے اندر کا کوئی غم یک لخت بیدار ہوگیا ہو۔ اُس نے فوراً بات بدل دی۔ "اچھا! رات بہت ہوچکی ہے۔ اب آپ سوجائیں آنے سے پہلے مجھے اطلاع ضرور دے دینا۔"

"میں آنے سے پہلے لازمی فون کردوں گا دیکھو! اپنا خیال رکھنا۔ چولہے کا کام خانسامے سے کروانا۔ خود نہ کرنا۔ تم اکثر اپنا ہاتھ جلالیتی ہو۔"

"کچھ بھی ہو۔ آپ کے لیے تو میں اپنے ہاتھوں سے ہی کھانا پکاؤں گی۔"

"اچھا بابا! اُس دن پکالینا۔ احتیاط سے رہنا۔ شب بخیر۔" یہ کہہ کر زیب خان نے فون بند کردیا۔ رات ساڑھے گیارہ بجے کا وقت تھا۔ رات کی ہولناک تاریکی میں ہر طرف سناٹے کا راج تھا۔ اس سناٹے کے سکوت کو جو آوازیں توڑ کر آرہی تھیں وہ جنگلی جانوروں کی خوفناک آوازیں تھیں۔ وہ آوازیں یکے بعد دیگرے کسی اُجاڑ

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

اور خوفناک ماحول کا اظہار کررہی تھیں۔ اِس رات زیب خان اور فضلو پوری کوٹھی میں اکیلے تھے۔

فضلو اپنے کمرے میں سو رہا تھا اور زیب خان حسبِ معمول اپنے بیڈ روم بیٹھا ہوا تھا۔

زیب خان اِس دہشت زدہ ماحول سے بہت بیزار تھا آج اُسے اپنے گھر کا سکون بہت یاد آرہا تھا۔

ابھی اُس کی قوت سماعت گیدڑوں اور الوؤں کی آوازوں سے مقابلہ کررہی تھی کہ یک لخت وہ چونک اٹھا۔ اُس کے بیڈ روم کی کھڑکیوں کے نزدیک جو باہر جنگل کی طرف کھلتی تھیں، بلیوں کے رونے کی آوازیں اُبھرنے لگیں۔ بلیوں کے رونے کی آوازیں اِس طرح کی تھیں جیسے دو عورتیں ایک دوسرے کے شانے پکڑے بین ڈال رہی ہوں۔

"کون سی منحوس گھڑی تھی جب میں نے اِس علاقے میں کوٹھی بنائی تھی۔ انسان ٹھیک سے سوچ بھی نہیں سکتا۔" وہ خود کلامی میں بڑبڑایا۔

زیب خان نے پیچھے سرکتے ہوئے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر سگار جلایا ہی تھا کہ ایک دم سے کمرے کی کھڑکیاں اِس طرح بجنے لگیں کہ جیسے باہر طوفان آرہا ہو۔ زیب کی رگوں میں خوف کی ایک لہر دوڑ گئی۔ چند ہی ساعتوں میں اُن کھڑکیوں کے جھٹکوں کی شدت اتنی بڑھ گئی جیسے کوئی یہ کھڑکیاں توڑ کر اندر کود آئے گا۔ اِس لمحے زیب بے ساختہ بیڈ سے اُتر گیا اور الٹے قدموں پیچھے کی طرف چلنے لگا۔

خوف کے ایک جھٹکے نے اُس کی ٹانگوں کی جان ہی نکال لی۔ اُس کا دِل اتنی تیزی سے دھڑکنے لگا جیسے پسلیاں توڑ کر باہر آجائے گا۔

زیب کسی ناگہانی آفت کے وسوسوں میں دھنستا چلا جارہا تھا کہ ایک کھڑکی کھٹاک سے کھل گئی۔ زیب نے خوف سے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور کپکپاہٹ میں

کسی مافوق الفطرت مخلوق کی آمد کا یقین کرلیا لیکن جونہی چند ساعتوں بعد زیب نے اپنی آنکھیں کھولیں تو اُس نے اطمینان کا ٹھنڈا سانس لیا۔ کیونکہ کمرے میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی۔ البتہ کھڑکی کے قریب ایک انتہائی بدہیئت سیاہ بلی بیٹھی ہوئی تھی۔ زیرو وولٹ کے بلب کی دھیمی روشنی میں اُس کی خوفناک آنکھیں دہکتے انگاروں کی طرح چمک رہی تھیں۔

اُس کے سیاہ بال عام بلیوں سے زیادہ لمبے تھے۔ اُس نے زیب پر اپنی نگاہیں جمار کھی تھیں۔

اُسے ایک عام جانور جاننے کے باوجود زیب اُس سے ایک انجانا سا خوف محسوس کرنے لگا۔ اُس بلی پر اُس کی نگاہیں ٹھہر سی گئیں۔

دیوار پر لگے وال کلاک کی سوئی ٹِک ٹِک چل رہی تھی لیکن جونہی یہ سوئی بارہ کے ہندسے پر آئی۔ زیب کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اُس کا دِل اُچھل کر جیسے حلق میں آگیا۔

اُس کی آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہی دیکھتے وہ سیاہ بلی ایک خوبصورت عورت کا روپ دھار گئی۔ وہ سرتاپا وہی عورت تھی جس نے اصطبل میں گھوڑوں کو بے چین کردیا تھا۔

زیب جیسے سن ہو کر رہ گیا۔ اُس کے قدم اپنی ہی جگہ منجمد ہو گئے۔

اُس نے ایک لمبا سانس کھینچا اور لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں بولا۔ "ت.........ت......... تم ہو کون؟"

زیب کے سوال پر اُس عورت نے ایک قہقہہ بلند کیا اور پھر یک لخت خاموش ہوگئی۔

زیب کے پورے وجود میں سنسناہٹ اور دہشت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ خوف سے اُس کا رنگ فق ہوگیا۔ ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑگئے لیکن اپنی ذات کے اِس ارتعاش

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

کے باوجود زیب اُس عورت کے سامنے اکڑ کے کھڑا رہا۔

سفید لباس میں ملبوس اُس عورت نے زیب کی سیدھ میں کھڑے ہوتے ہوئے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور ہونٹوں کی تیز جنبش کے ساتھ کچھ پڑھنے لگی۔

اُس نے جونہی کچھ پڑھنا شروع کیا۔ زیب کی آنکھیں خودبخود بند ہونا شروع ہوگئیں۔

چند ہی ساعتوں میں وہ عورت وہ چِلّہ بلند آواز کے ساتھ پڑھنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی تکلیف سے زیب نے سر کو پکڑ لیا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے سر کو بھینچے ہوئے منہ سے آوازیں نکال رہا تھا لیکن وہ اپنی آنکھ نہیں کھول پا رہا تھا۔ وہ دباؤ کی سی کیفیت میں اذیت محسوس کر رہا تھا۔ اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے اُس کے ذہن کو رسیوں سے جکڑ کے سُن کردیا ہو۔

اتنی دیر میں بادل گرجنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے موسم کی نوعیت شدت اختیار کرگئی۔ ہوا جھکڑ کی شکل میں چلنے لگی۔ جس سے پوری کوٹھی کی کھڑکیاں اور دروازے بجنے لگے۔ ہوا کے اِس دباؤ سے زیب کے بیڈ روم کی تمام کھڑکیاں کھٹاک سے کھل گئیں۔ اُس پُراسرار عورت کے لمبے لمبے بال ہوا میں لہرانے لگے۔

تیز آسمانی بجلی زیب کے بیڈ روم کو روشن کردیتی اور پھر ایک خوفناک آواز کے ساتھ اپنا سفر طے کرتی۔

زیب اور وہ عورت اُسی کیفیت میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ دونوں کی آنکھیں بند تھیں' زیب اُس کرب ناک اذیت میں اپنا سر اوپر کی طرف لے کر جاتا اور پھر نیچے کی طرف جھٹک دیتا۔

کچھ دیر کے بعد اُس عورت نے اپنی آنکھیں کھولیں تو اُس کی آنکھیں دہکتے انگاروں کی طرح سلگ رہی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی زیب نے بھی اپنی آنکھیں کھول لیں لیکن اِس لمحے وہ ایک پتھر کے انسان کی طرح سیدھا کھڑا تھا۔ اُس کا چہرہ

ہر طرح کے تاثرات سے عاری تھا۔

اُس دہشت ناک عورت نے کچھ پڑھا اور اُسے اپنے ہاتھ پر پھونک دیا۔ اُس نے اپنا وہ ہاتھ زمین پر جھٹک دیا۔ جس سے یک لخت زمین کے اُس حصے میں آگ بھڑک اٹھی۔

اُس عورت نے تحکمانہ انداز میں زیب کو پکارا۔ "زیب! اپنا ہاتھ اِس آگ میں ڈال دو۔"

زیب نے کسی روبوٹ کی طرح انتہائی اطمینان سے اپنا ہاتھ آگ میں جھونک دیا اور پھر تکلیف سے اُس کے آنسو چھلک پڑے لیکن اُس کا دماغ جیسے مکمل طور پر اُس عورت کے کنٹرول میں تھا۔ وہ اپنا ہاتھ اُس وقت تک نہیں کھینچ سکتا تھا جب تک وہ عورت نہ چاہے۔

"اپنا ہاتھ آگ سے باہر نکال لو"۔ اُس عورت نے جلد ہی کہہ دیا۔

زیب نے جھٹ سے اپنا ہاتھ باہر کھینچ لیا۔

وہ پُراسرار عورت فاتحانہ انداز میں مسکرائی۔ "میری بات غور سے سنو۔ میرا نام صائم ہے۔ میں کیا ہوں؟ کون ہوں؟ یہ تمہیں نہیں بتاؤں گی۔ بس اتنا جان لو کہ تم مجھے پسند آئے ہو۔ میں نے تمہارے لئے اپنا علاقہ چھوڑا ہے۔ کل تم مجھ سے شادی کروگے۔"

جونہی صائم کی بات ختم ہوئی۔ زیب کا ذہن اور جسم اپنی اصلی حالت میں واپس آگیا لیکن یہ بات زیب کے ذہن میں نقش ہوگئی کہ صائم اُس کی ہونے والی بیوی ہے اور اُس نے صائم کی کوئی بات نہیں ٹالنی۔

زیب اپنا ماضی اور حال نہیں بھولا تھا لیکن صائم نے اُس پر ایسا سحر کیا تھا کہ اب صائم ہی اُس کے لیے سب کچھ تھی۔

اگلے روز اُس نے ایک مولوی بلا کر چند ملازموں کو گواہ بنا کر صائم سے شادی

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

کرلی۔

اُدھر زرقا زیب کا شدت سے انتظار کر رہی تھی۔ زیب کے نہ پہنچنے پر اُس نے زیب کو فون کیا لیکن زیب نے اُس سے ایک دو دن اور ٹھہرنے کا بہانہ کر دیا۔

دو روز زیب اور صائم نے اچھے میاں بیوی کی طرح گزارے۔ تیسرے روز زیب کو کسی کام کے سلسلے میں نزدیکی گاؤں جانا پڑا۔ صائم کے پاس زیب کا نوکر فضلو تھا جس کا کوارٹر کوٹھی کے نزدیک ہی تھا۔ فضلو اُس کوارٹر میں اپنی بیوی اور اپنے دو سالہ بچے کے ساتھ رہتا تھا۔

زیب کوٹھی سے صبح کے نو بجے ہی روانہ ہو گیا تھا۔ صائم کی خدمت کے لیے فضلو ہر وقت چوکنا رہتا تھا۔ وہ بہت خوشی سے گھر کا سارا کام کر رہا تھا۔

صائم نے پچھلے دو روز اپنے معمول اور مزاج کے خلاف گزارے تھے لیکن تیسرے روز اُس کی طبیعت میں بے چینی بہت بڑھ گئی۔ وہ پاگلوں کی طرح پورے گھر کے چکر کاٹنے لگی۔ وہ کسی ایک جگہ کھڑی نہ ہو پا رہی تھی۔ جیسے اُس کے قدم زمین سے اکھڑ رہے ہوں۔ شدید سردی میں بھی وہ تپنے لگی۔

فضلو بہت حیرت سے اُس کی تمام کیفیت دیکھ رہا تھا۔

صائم کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ اُس کے چہرے سے اجنبیت ٹپک رہی تھی۔ اُس کی نگاہوں میں عجیب سی بیگانگی تھی۔ وہ اپنی پتھرائی آنکھیں کسی ایک جگہ مرکوز کرتے ہوئے' اپنے ناخنوں کو دانتوں سے کاٹنے لگی۔ جیسے وہ اپنے اندر اٹھنے والے کسی بڑے طوفان کو روک رہی ہو۔ وہ کافی دیر اِسی کیفیت میں رہی۔ پھر یک لخت اُس نے فضلو کی طرف دیکھا اور تیزی سے بولی۔ ''تمہارے گھر کوئی بچہ ہے؟''

پہلے تو صائم کے اِس انداز سے فضلو ڈر سا گیا لیکن پھر کچھ سوچتے ہوئے مسکرا کر بولا۔ ''میں سمجھ گیا۔ آپ اکیلی بور ہو رہی ہیں۔ بچے سے دل بہلانا چاہتی ہیں۔ میرا دو سال کا بچہ ہے۔ آپ اُسے دیکھیں گی نا تو یقین نہیں کریں گی کہ وہ میرا بچہ

ہے۔ خوبصورت نین نقوش کے ساتھ رب نے اُسے رنگ بھی بڑا گورا دیا ہے۔ بس جی وہ تو میری اور میری بیوی کی جان ہے۔''

''اب تعریفیں ہی کرتے رہو گے یا لاؤ گے بھی۔'' صائم نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''ابھی لاتا ہوں بیگم صاحبہ!'' یہ کہہ کر فضلو اپنے کوارٹر کی طرف گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے دو سالہ بچے کو گود میں اٹھائے کمرے میں داخل ہوا۔

اُس خوبصورت اور گول مٹول بچے کو فضلو کی بیوی نے بہت خوبصورت کرتہ اور پاجامہ پہنایا تھا۔ جس میں وہ بہت پیارا لگ رہا تھا۔ وہ اپنی معصوم اور روشن آنکھوں سے سہمے سہمے انداز میں کوٹھی کی ہر چیز کو دیکھ رہا تھا۔

''اِسے میرے بیڈ روم میں لے آؤ۔'' بیڈ روم سے صائم کی آواز اُبھری۔

فضلو بچے کو لے کر بیڈ روم میں داخل ہوا۔ تو صائم بڑی بے تابی سے بچے کی طرف بڑھی۔ ''کتنا پیارا بچہ ہے۔ میرا تو اکیلے دَم گھٹ رہا تھا۔ تم ایسا کرو مجھے شہر سے یہ سودا لا دو۔''

صائم نے فضلو کے ہاتھ میں لسٹ تھما دی۔ صائم کی طبیعت میں ایک عجیب سا اضطراب تھا۔ اُس کے ہاتھوں میں بے معنی سی تھرتھراہٹ تھی۔

''لیکن بی بی جی! شہر تو یہاں سے بہت دور ہے۔ مجھے دو گھنٹے لازمی لگ جائیں گے' آنے جانے میں۔ آپ اکیلی کیسے رہیں گی؟''

''تم میری فکر نہ کرو۔ یہ سامان بہت ضروری ہے۔''

''جیسی آپ کی مرضی۔ یہ لفافے میں اِس کا دودھ سے بھرا فیڈر ہے۔ آدھے گھنٹے کے بعد اِس کو دے دینا۔ میں بازار جا رہا ہوں۔''

''اچھا دے دوں گی۔'' صائم نے بے چینی سے ناخن منہ میں لیتے ہوئے کہا۔

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

فضلو نہایت اطمینان سے وہاں سے چل دیا۔

فضلو کا معصوم بچہ منہ میں انگوٹھا لیے گردن ایک طرف کو گرائے ڈھیلے سے انداز میں بیڈ پر بیٹھا ہوا تھا۔

صائم دیوار کی طرف منہ کیے کھڑی تھی۔ صائم اپنے اندر اٹھنے والے جس طوفان کو روک رہی تھی وہ تھا اُس کا اصل روپ جو ایک خوبصورت لڑکی کا روپ دھارے زیب کو دھوکہ دے رہا تھا۔ صائم کا یہ اصل روپ انسانی خون کی ہوس میں اب آشکار ہو رہا تھا۔ اُس کی رگوں کا سیال بے ترتیب ہو رہا تھا۔ اُس کا ہوائی روپ اب اِس مادی وجود کے لبادے کو چھوڑنے پر مجبور ہو رہا تھا۔ اپنے اِس خوفناک روپ کے زیرِ اثر ہی صائم نے ایک نظر بچے کی جانب کی۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد صائم شدید جھٹکے لینے لگی اور پھر وہ اپنے اصل روپ میں آ گئی۔ اُس کا قد بھی دراز ہو گیا۔ اُس کی شکل اتنی خوفناک ہو گئی کہ کمزور دل انسان اُس کو دیکھ کر ہی موت کے گھاٹ اُتر جائے۔

اُس نے جھٹکے سے اپنا رخ بدلا تو وہ معصوم بچہ اُس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔

صائم نے ایک خوفناک قہقہہ لگایا۔ اُس کے اندر کی شیطانیت اُس کی نگاہوں میں ناچنے لگی۔ دو دن کے انسانی روپ نے اُسے بھوکی شیرنی بنا دیا تھا۔ وہ بچے کے قریب آئی اور اپنی دہکتی نگاہیں اُس بچے کی پیشانی پر جما دیں۔ اس کی نظروں میں اتنا مہلک سحر چھپا ہوا تھا کہ ایک ہی ساعت میں بچے کا سر ایک تربوز کی طرح پھٹ گیا۔ خون کے فواروں نے اُس کا پورا جسم نہلا دیا۔ خون میں لت پت بچہ اِس طرح تڑپنے لگا کہ بڑے بڑے پتھر دلوں کے بھی دل ہل جائیں۔

تکلیف کی شدت نے اُسے رونے کا موقع بھی نہ دیا۔

صائم غراتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اُس نے اُس تڑپتے ہوئے بچے کو گود میں لیا اور اُس کی گردن پر اپنے خونخوار دانت گاڑ دیئے۔

زندگی کی اِس تڑپ کو سہتے ہوئے آخر بچے کی جان نکل ہی گئی۔

☆====☆====☆

اُدھر زیب کار ڈرائیو کرتا ہوا پگڈنڈیوں سے گزر رہا تھا۔ زیب کو ہر لمحہ یوں محسوس ہوتا جیسے اُس کے سر پر کوئی بڑا سا پتھر ہے۔ ایک ایسا بوجھ جس سے اُس کا ذہن ماؤف ہو کے رہ گیا ہے۔

صائم کا تصور اُس کے ذہن میں کچھ اِس طرح نقش تھا کہ وہ کسی اور کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

سر کے شدید درد سے اکتاتے ہوئے اُس نے اپنی جیب سے ایک سگریٹ اور لائٹر نکالا تو اُس کے ہاتھ میں ایک تعویذ آ گیا۔

یہ تعویذ زرقا نے زیب کو پہننے کے لئے دیا تھا۔ اس میں قرآن شریف کی ایسی آیات تحریر تھیں جن سے اس تعویذ کو پہننے والا آسیبی چیزوں کے اثرات سے بچ جاتا ہے لیکن زیب کا اعتقاد اِن چیزوں پر اتنا پکا نہیں تھا۔ اِس لیے اُس نے یہ تعویذ نہیں پہنا تھا۔

لیکن آج تین روز کے بعد اُس نے الماری سے وہ کوٹ نکالا تھا جس میں یہ تعویذ تھا۔

زیب کا شعور صحیح کام نہیں کر رہا تھا لیکن اُس کے لاشعور سے جیسے کوئی آواز اُبھری کہ یہ تعویذ پہن لو۔

زیب نے اپنے ذہن کو جھٹکتے ہوئے وہ تعویذ پہن لیا۔

تعویذ پہنتے ہی زیب کی تو جیسے دنیا ہی بدل گئی۔ اُس کے سر کا سارا بوجھ یک لخت ختم ہو گیا۔ وہ اپنے ذہن کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا۔ سکون کی اِس کیفیت میں اُس نے اپنی گاڑی ایک درخت کی چھاؤں میں کھڑی کر دی اور دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھامے گاڑی کی سیٹ پر اپنا سر رکھ لیا اور اطمینان کے دبیز جھونکوں کو

محسوس کرنے لگا۔

پھر چند ہی ساعتوں میں اطمینان کے اِن لمحوں میں زیب کے دل کے گوشوں میں وہ لوگ بھی زندہ ہوگئے جنہیں صائم کے طلسم نے زیب کے ذہن سے کھرچ ڈالا تھا۔

اِن میں سب سے پہلا چہرہ زرقا کا تھا۔

زرقا کے تصور کے ساتھ جب زیب نے اپنی زندگی میں صائم کی موجودگی کو محسوس کیا تو اُس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

''زرقا کی موجودگی میں مَیں نے کسی دوسری عورت سے شادی کیسے کرلی؟''

اس نے اپنے آپ سے سوال کیا اور اسے اپنے آپ سے نفرت ہونے لگی۔ اپنی زندگی کے اِس کرب ناک پہلو کی سوچ میں اُس نے اپنی گاڑی واپس موڑ لی۔ وہ تصورات میں صائم کو ایک عورت ہی سمجھ رہا تھا۔ جادو ٹونے جاننے والی پُراسرار عورت۔

وہ اپنی کوٹھی کی طرف جارہا تھا۔ تقریباً پونے گھنٹے میں وہ اپنی کوٹھی تک پہنچ گیا۔ کوٹھی کا گیٹ کھلا تھا اور فضلو بھی وہاں موجود نہیں تھا۔ زیب نے غصے سے بل کھاتے ہوئے گاڑی اندر داخل کی۔

زیب کوٹھی میں داخل ہوا اور سارے کمروں میں صائم کو ڈھونڈنے لگا۔ صائم کسی کمرے میں نہیں تھی لیکن بیڈ روم کا بند دروازہ دیکھ کر زیب کے قدم ٹھٹک گئے۔ بیڈ روم سے عجیب نوعیت کی آوازیں اُبھر رہی تھیں۔ جیسے کوئی چٹخارے لے لے کر گوشت نوچ رہا ہو یا جیسے کوئی جارحانہ اور وحشیانہ انداز میں کسی چیز پر جھپٹ رہا ہو۔ اِن آوازوں کے ساتھ ایسی غراہٹ گونج رہی تھی کہ زیب کا دل دہل گیا۔ اُس کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ خوف اور سنسنی کی ایک لہر اُس کے پورے وجود میں دوڑ گئی۔ پہلے وہ خوف سے پیچھے ہٹنے لگا لیکن پھر اُس نے حوصلے کا ایک لمبا

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

سانس کھینچا اور بیلٹ سے موزر نکال کر دبے قدموں سے دروازے کی طرف بڑھا۔

اُس نے خود پر قابو رکھتے ہوئے دائیں ہاتھ سے دروازے کو جھٹکا دیا۔ دروازہ کھٹاک سے کھل گیا۔

دروازہ کیا کھلا زیب کی تو جیسے نبض بند ہوگئی۔ اُس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے رہ گیا۔ خوف اور دہشت سے اُس کی ٹانگوں کی جان نکل گئی۔ اس کی حالت ایسی ہوگئی جیسے وہ ایک قدم بھی نہ چل سکے گا۔

اُس کی نگاہوں کے سامنے اتنی خوفناک عورت کھڑی تھی کہ اُس کا چہرہ دیکھ کر ہی زیب کا دل ڈوبنے لگا۔ اُس کی جلد کی رنگت پہاڑی کرلے کی جلد سے مشابہ تھی۔ اُس کی نگاہیں گول اور بغیر ڈیلے کی تھیں اور دہکتے انگاروں کی طرح سلگ رہی تھیں۔ اُس کے لمبے لمبے دانتوں سے خون ٹپک رہا تھا۔

وہ دہشت ناک بلا اُس لباس میں تھی جو صبح صائم نے زیب تن کیا ہوا تھا۔ اِس لیے صائم کا اصل روپ زیب پر افشا ہوچکا تھا لیکن یہ انکشاف زیب کے لئے کسی قیامت سے کم نہیں تھا۔

صائم کے بھیانک چہرے کی دہشت میں زیب کی پھٹی پھٹی نگاہیں ایک ہی جگہ منجمد ہوگئیں۔ اُسے اِردگرد کی ہوش تک نہ رہی لیکن جب اُس نے صائم کے لمبے دانتوں سے ٹپکتے خون کی طرف غور کیا تو اُس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ بیڈ پر فضلو کے معصوم بچے کا خون میں لت پت دھڑ پڑا تھا۔

یہ خوفناک منظر دیکھ کر زیب پاگل سا ہوگیا۔ اُس بچے کی معصومیت نے اُسے جھنجھوڑ کے رکھ دیا۔ اُس کے اندر کا خوف اور دہشت اُس حوصلے کا روپ دھار گئی جو ظلم کی انتہا پر انسان کے اندر جاگ جاتا ہے۔ اُسے اپنی زندگی کی کوئی پرواہ نہ رہی۔ اِس کرب ناک ظلم پر اُس کی آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ تھیں۔ اُس نے اپنی نم آلود آنکھیں صائم کے چہرے پر گاڑ دیں۔

"اپنی شیطانیت کی آگ بجھانی تھی تو اِس معصوم کو کیوں شکار بنایا۔ میں جو دو روز سے تمہارے ساتھ تھا۔ تمہارا اسیر غلام تھا۔ میرا خون پی لیتی۔"

صائم اپنے دہشت ناک روپ میں خاموشی سے زیب کی بات سنتی رہی۔ پھر تھوڑی ہی دیر میں وہ اُسی خوبصورت عورت کا روپ دھار گئی۔ جس سے وہ زیب کو فریب دیتی آ رہی تھی۔ اُس نے غصے سے بھری نگاہوں سے زیب کی طرف دیکھا۔

"میں نے تمہارے لیے اپنا علاقہ چھوڑا۔ یہ روپ دھارا اور تم میرے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہو۔ تم نے میرا اصل روپ دیکھ لیا ہے۔ اب میں تمہاری بیوی ہوں۔ تمہیں میرا یہ روپ بھی قبول کرنا ہوگا۔"

"صائم! اب تمہارا کوئی طلسم مجھ پر اثر نہیں کرے گا۔ کیونکہ میرے گلے میں یہ تعویذ ہے اور اگر یہ تعویذ کسی بھی طریقے سے اتروا کر تم مجھے مارنا چاہو تو بے شک مار ڈالو لیکن میں تمہیں صاف صاف بتا رہا ہوں کہ ایسی زندگی سے جس میں تم جیسی ڈائن کا عکس ہو' موت بہتر ہے۔ مجھے سب سے زیادہ اپنی بیوی عزیز ہے۔ میں اُس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں مرجاؤں گا لیکن تمہیں اپنی بیوی تسلیم نہیں کروں گا۔"

زیب کی یہ بات سن کر صائم پر جیسے بجلی گر گئی۔ غصے کی شدت سے وہ تھر تھر کانپنے لگی۔ وہ سر جھکا کر تیز تیز سانس لینے لگی جیسے نہ جانے کتنا غصہ ضبط کر رہی ہو۔ پھر اُس نے جھٹکے سے اپنا سر اوپر اٹھایا اور اپنی سرخ انگارہ آنکھوں سے زیب کی طرف دیکھا۔

"اگر تم نے قسم کھا ہی لی ہے تو میری بات بھی کان کھول کر سن لو۔ اگر تم میرے نہیں ہوسکے تو کسی کے بھی نہیں رہو گے۔ میں تمہارے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی تھی لیکن اب میں تمہیں زندگی سے محروم کردوں گی۔ یاد رکھنا تم جب بھی یہ تعویذ اتارو گے' تمہارا ذہن پھر سے میرے قابو میں آجائے گا اور تم وہی کرو گے جو میں تمہیں کہوں گی۔ میں اپنے علاقے میں واپس جارہی ہوں۔ تم جب بھی یہ تعویذ

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

اتارو گے' تمہارے ذہن کا رابطہ مجھ سے ہوجائے گا۔"

صائم تضحیک آمیز انداز میں مسکرائی اور پھر یک لخت غائب ہوگئی۔

☆=========☆=========☆

زیب نہیں چاہتا تھا کہ گاؤں کے لوگوں میں کسی قسم کی افراتفری پیدا ہو۔ اِس لیے اُس نے خون کے آنسو پیتے ہوئے اُس بچے کے جسمانی اعضاء کو اکٹھا کیا اور ہسپتال سے سرجری کے ذریعے اُسے ایک مکمل لاش کی شکل دے دی اور اِس اذیت ناک موت کو فضلو اور اُس کی بیوی کے سامنے ایک ایکسیڈنٹ قرار دے دیا۔

ان دونوں میاں بیوی کا تو سب کچھ لٹ گیا تھا۔ روتے روتے بالآخر اُن کے آنسو خشک ہی ہوگئے۔

☆=========☆=========☆

زیب اِن تمام حالات سے بہت پریشان ہوچکا تھا۔ وہ خود کو ایک ذہنی مریض تصور کرنے لگا تھا۔ فضلو کے بچے کی کرب ناک موت نے اُس کے ذہن پر ایسے نقش چھوڑے تھے کہ وہ پل بھر کے لیے سو بھی نہ سکا تھا۔

اور صائم کے خوفناک چہرے کی تصویر تو جیسے اُس کی نگاہوں میں بس چکی تھی۔

اِس پریشانی کی کیفیت میں اُس نے ساری رات گزار دی۔ اگلے روز صبح اُسے اپنے گھر کی طرف روانہ ہونا تھا۔

سویرا ہوتے ہی اُس نے اپنا بیگ تیار کیا۔ وہ ہر کام بہت عجلت میں کر رہا تھا۔ اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ جتنی جلدی ہوسکے وہ اِس منحوس جگہ سے نکل جائے۔ اُس نے اپنی شرٹ اتاری۔ تو تعویذ اُس کی شرٹ کے بٹن سے الجھ کر اُس کے گلے سے اتر گیا۔

زیب نے وہ تعویذ ڈریسنگ ٹیبل کے قریب رکھ دیا۔ اِس ارادے سے کہ کپڑے تبدیل کرکے پہن لوں گا لیکن ذہنی الجھاؤ اور جلدی کے باعث تعویذ زیب

کے ذہن سے نکل گیا۔

اُس نے بیگ اپنے دائیں کاندھے پر لٹکایا اور پورا گھر لاک کرنے لگا۔ پورا گھر لاک کرنے کے بعد وہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھا جو اُس نے پہلے سے ہی گیراج سے باہر کھڑی کی ہوئی تھی۔

جونہی زیب ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تو یک لخت اُس کے ذہن میں تعویذ کا خیال آگیا۔ زیب نے جھٹ سے اپنا دایاں ہاتھ اپنی گردن کے اوپر پھیرا تو اُس کے پسینے چھوٹ گئے۔ وہ برق سرعت سے گاڑی سے باہر نکلا لیکن شاید اُس کی رفتار صائم کے طلسم سے بہت کم تھی۔ اُس کا ذہن ایک بار پھر صائم کے طلسم کا اسیر ہوگیا۔ اُس کے اعصاب جیسے اُس کے ذہن سے محروم ہوگئے۔ وہ اِس کرب سے زیادہ دیر نہیں بھاگ سکا۔ اُس کے قدم ایک جگہ منجمد ہوگئے۔ جیسے وہ موت کے سامنے بالکل بے بس ہوگیا ہو۔

اُس کا ذہن اور اُس کے جذبات تو صائم کے کنٹرول میں تھے لیکن اُس کے دِل کی کسی آہ میں اتنی شدت تھی کہ اُس کی آنکھوں سے آنسو زاروقطار بہہ رہے تھے۔

چند ہی ساعتوں میں زیب کے ذہن میں صائم کی تحکمانہ آواز گونجی۔ "زیب! گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ جاؤ۔"

زیب ایک روبوٹ کی طرح گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"گاڑی کے ڈیش بورڈ سے اپنا موزر نکالو۔"

زیب نے گاڑی کے ڈیش بورڈ سے اپنا موزر نکال لیا۔

زیب کے اِس عمل پر صائم نے ایک قہقہہ بلند کیا اور استہزائیہ لہجے میں بولی۔

"اب اِس موزر کو اپنی کن پٹی پر رکھو اور چلا دو۔"

اِس لمحے زیب ایک عجیب بے بسی کی کیفیت میں تھا۔ اِس انجانے سے احساس

سے اُس کی نگاہیں بھیگ رہی تھیں کہ وہ آج سب کچھ کھودے گا۔ جیسے زندگی لاشعوری طور پر اُسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی لیکن اُس کے اعصاب کا تعلق اُس کے ذہن سے تھا جو صائم کی ہر بات ماننے پر مجبور تھا۔ اُس کی پتھرائی ہوئی نگاہیں اِس بار جذبوں سے خالی نہیں تھیں۔ وہ اِس طرح مضطرب تھا جیسے کسی گھمبیر دھند میں کچھ ڈھونڈ رہا ہو۔ جیسے اِس دھند میں اُس کے دِل کے گوشوں میں رہنے والے لوگوں کے چہرے چھپے ہوں جیسے کوئی اُسے بلا رہا ہو۔

لیکن زیب زندگی کے اِن خوبصورت جذبوں سے نکل کر موت کی طرف بڑھ چکا تھا۔ زیب کی متلاشی نگاہیں کسی چہرے کے لیے ترستی رہیں۔ کسی ایسے چہرے کے لیے جس کے بارے میں کچھ بتانے سے اُس کا ذہن قاصر تھا۔

آخر زیب نے وہی کیا جو اُسے ہر حال میں کرنا تھا۔ اُس نے موت کے آگے ہتھیار پھینک دیے۔ اُس نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے موزر اپنی کن پٹی پر رکھا اور ٹریگر دبا دیا۔ اِس طرح اُس نے اپنی بھیگی ہوئی نگاہیں ہمیشہ کے لیے بند کرلیں اور اُس زندگی سے اس کا رابطہ ٹوٹ ہوگیا جس سے بہت سے لوگ منسلک تھے۔

☆====☆====☆

زرقا تمام حالات سے بے خبر زیب کے لیے فون پر فون کیے جارہی تھی لیکن اُس ویران کوٹھی میں فون اٹھانے والا کوئی نہیں تھا۔

اِس بات سے زرقا کی پریشانی مزید بڑھ گئی۔ اُس نے کئی اور جگہ فون کیے لیکن کہیں سے بھی اُس کا زیب سے رابطہ نہ ہوا۔

"بہت لاپرواہ ہوگئے ہیں۔ گھر آجائیں ایک بار۔" زرقا غصے میں بڑبڑائی۔

زرقا کو کبھی زیب پر غصہ آتا اور کبھی عجیب عجیب وسوسے اُس کے ذہن کو گھیر لیتے لیکن وہ اپنے ذہن کو جھٹک دیتی۔ "انہیں کوئی کام پڑ گیا ہوگا۔"

زرقا نے زیب کے سب دوستوں کے گھروں میں فون کیا لیکن وہ سب شہر میں ہی موجود تھے۔ کوئی بھی زیب کے پاس گاؤں میں نہیں تھا۔

اِسی شش و پنج میں دوپہر کے تین بج گئے۔ زرقا کو اِس بات کا پورا پورا یقین تھا کہ یہ سب زیب کی لاپرواہی ہے۔ وہ بغیر اطلاع دیے گھر کے لیے چل پڑا ہوگا۔ اِس لیے وہ زیب کے لیے کچن میں کھانا تیار کر رہی تھی۔ وہ تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی کچن سے باہر آئی تو گھر کی سیٹنگ چیک کرنے لگی۔

اِسی اثناء میں اُس کے گھر کے قریب ایمبولینس کے ہارن کی آواز گونجنے لگی۔

زرقا نے اپنا دِل پکڑ لیا۔ "اللہ رحم کرے۔ ہمارے محلے میں خیریت تو ہے۔"

وہ اسی سوچ میں سہمی کھڑی تھی کہ باہر دروازے پر بیل ہوئی۔ زرقا ٹھٹک کے

رہ گئی۔ اُس کا دِل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ دروازے تک جاتے جاتے اُس کا حلق خشک ہونے لگا لیکن اُس نے اپنے ذہن کو جھٹکا اور دروازہ کھول دیا۔

دروازہ کیا کھولا' زرقا کے سر سے تو جیسے قیامت گزر گئی۔ اُس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے ہی رہ گیا۔ دماغ میں جیسے سیٹیاں بجنے لگیں۔ اُس کی زندگی تباہ ہو چکی تھی۔ وہ سب کچھ کھو چکی تھی۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے ہسپتال کے لوگ زیب کی لاش سٹریچر پر لیے کھڑے تھے۔

زرقا اپنی جگہ سکتے کی سی کیفیت میں کھڑی رہ گئی۔ وہ لوگ آگے بڑھے اور انہوں نے کمرے کے وسط میں سٹریچر رکھ دی۔

زرقا پاگلوں کی طرح اُن کے پیچھے آئی۔ وہ اِس المناک حقیقت کو قبول نہیں کرپا رہی تھی۔ "انہیں ک............ ک............ کیا ہوا ہے۔ یہ اُٹھ کر کیوں نہیں بیٹھتے؟" زرقا ڈاکٹر کو جھنجھوڑنے لگی۔

ڈاکٹر نے خاموشی سے اپنا سر جھکا لیا۔ زرقا کا حال دیکھ کر اُس کے اندر حقیقت بتانے کی ہمت ہی نہ ہوئی۔

زرقا کا دِل ڈوب رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو زارو قطار بہہ رہے تھے لیکن اُس کی ابھی آس نہیں ٹوٹی تھی۔ وہ زیب کے پاس بیٹھ گئی اور اُس کا ہاتھ تھام کر چیخنے لگی۔ "زیب! مجھے ایسے کیوں ڈرا رہے ہو۔ اٹھ کر بیٹھ جاؤ۔"

لیکن زیب کو بالکل بے حس و حرکت دیکھ کر زرقا کی حالت غیر ہوگئی۔ وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخنے لگی۔ "زیب کو کیا ہوگیا ہے۔ کوئی مجھے بتاتا کیوں نہیں۔ کیا ہوگیا ہے زیب کو؟"

گھر کی نوکرانیوں نے زرقا کو سنبھالا تو ڈاکٹر نے اُس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "بیٹی! زیب ہمیں چھوڑ کر جاچکا ہے۔ زیب نے خودکشی کی ہے۔"

یہ سنتے ہی زرقا کی حالت اتنی خراب ہوگئی کہ اُس کی چیخ و پکار سے محلے کی

ساری عورتیں اُس کے گرد جمع ہوگئیں۔

محلے کی عورتوں نے زرقا کو مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا لیکن جنون میں وہ اُن کے ہاتھوں سے نکلتی جارہی تھی۔

چیخ چیخ کر اس کا حلق خشک ہوگیا۔ "زیب نے خودکشی کیسے کرلی؟ زیب مجھے چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔"

رو رو کے زرقا کی حالت اتنی خراب ہوگئی کہ اُس کی سانسیں اکھڑنے لگیں اور پھر اُس پر غشی طاری ہوگئی۔

ڈاکٹر کو زرقا کی زندگی کا فکر پڑگیا۔ وہ اُسے بے ہوشی کی حالت میں دوسرے کمرے میں لے گئے اور انجیکشن دیا۔ زرقا کو بہت دیر تک ہوش نہیں آیا۔

زرقا کی حالت ایسی تھی کہ اُس کا بیس منٹ کے اندر اندر ہوش میں آنا لازمی تھا۔ ورنہ کچھ بھی ہوسکتا تھا۔ وہ زندگی اور موت کے درمیان تھی۔

سب لوگ دعائیں کر رہے تھے۔ آخر زرقا کی اکھڑی ہوئی سانسیں صحیح رفتار سے چلنے لگیں اور اُسے ہوش آگیا۔ اُس کے ہوش میں آتے ہی ڈاکٹر نے ارد گرد کا ماحول یکسر بدل دیا اور اُسے ذہنی سکون کا انجیکشن لگا کر سوائے ایک دو کے سب کمرے سے باہر آگئے۔

ڈاکٹر نے زرقا کو بچانے کے لیے اُسے عارضی نیند دے کے تھوڑی دیر کے لیے اِس المیے سے غافل کردیا۔

☆=========★=========☆

دو گھنٹے کی اِس غفلت کی نیند سے جب زرقا بیدار ہوئی تو اُس کے عزیز و اقارب زیب کے جنازے کے لیے جاچکے تھے۔

ہوش میں آتے ہی جب زرقا کی ذہنی حالت درست ہوئی تو وہ تڑپتی ہوئی اپنے بستر سے اُتری۔ "وہ لوگ زیب کو لے جائیں گے۔"

ایک لیڈی ڈاکٹر نے زرقا کو شانوں سے پکڑا اور پورا زور لگاتے ہوئے اُسے بستر پر بٹھادیا۔

"زرقا! ہوش میں آؤ۔ تم ایک سمجھدار خاتون ہو تمہیں اِس حقیقت کو حوصلے کے ساتھ قبول کرنا ہوگا کہ زیب اب اِس دنیا میں نہیں ہے۔ ہم نے تمہیں موت کے منہ سے کھینچا ہے۔ تم جتنی خود کو اذیت دوگی' زیب کی روح کو اتنی ہی تکلیف ہوگی اور جتنا تم حوصلہ کروگی' زیب کی روح کو اتنا ہی سکون ملے گا۔"

زرقا سر جھکائے سسکیاں لے رہی تھی۔ اُس کا پورا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

وہ اپنا سب کچھ کھو چکی تھی لیکن اُس لیڈی ڈاکٹر کی بات پر اُس نے خود کو سنبھالا اور ہچکیاں لیتے ہوئے بولی۔ "زیب ہیں کہاں؟"

لاش کا لفظ اُس کی زبان سے ادا نہیں ہو رہا تھا۔

"تمہارے عزیز و اقارب میت کو قبرستان لے گئے ہیں۔ تمہاری حالت بہت نازک تھی۔ اِس لیے تمہیں جانے سے پہلے چہرہ نہیں دکھا سکے۔" لیڈی ڈاکٹر نے زرقا کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

زرقا اُس کے شانے پر سر رکھے چیخ چیخ کر رونے لگی لیکن اِن لمحوں میں لیڈی ڈاکٹر نے اُسے نہیں روکا۔ وہ اُس کے ہاتھ پر تھپکی دیتی رہی۔

وہ لیڈی ڈاکٹر رات بھر زرقا کے پاس رہی اور اُس میں حوصلہ پیدا کرتی رہی۔

☆=========☆=========☆

دو روز کے بعد ڈاکٹر جوزف' جو زیب کی ڈیڈ باڈی اپنی نگرانی میں لائے تھے' وہ زیب کے فیملی ڈاکٹر بھی تھے' زرقا کے پاس آئے۔

زرقا جو زبان پر چپ کا تالہ لگائے زندگی کے زہر کو قطرہ قطرہ پی رہی تھی۔ اپنی تنہائیوں کو سمیٹے ایک اندھیرے کمرے میں بیٹھی تھی۔

ڈاکٹر جوزف نے کمرے میں داخل ہوتے ہی لائٹ آن کی اور زرقا کی طرف

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

بڑھے۔ زرقا بہت کمزور نظر آ رہی تھی۔ اُس کا چہرہ بہت زیادہ اُتر گیا تھا۔ درد اُس کی آنکھوں میں نمی بن کر ٹھہر سا گیا تھا۔

ڈاکٹر جوزف کو دیکھا تو وہ احتراماً کھڑی ہونے لگی۔ "انکل آپ!"

"بیٹھی رہو بیٹی!" یہ کہہ کر ڈاکٹر جوزف زرقا کے قریب بیٹھ گئے۔ "زرقا بیٹی! اِس طرح اندھیرے کمرے میں بیٹھی رہو گی تو ڈیپریشن سے بیمار ہو جاؤ گی۔ خود کو سنبھالو۔ جو کچھ ہوا اُسے خدا کی مرضی سمجھ کر قبول کرلو۔ اپنی طبیعت کو بدلنے کی کوشش کیا کرو۔"

ڈاکٹر جوزف کی بات سُن کر زرقا نے خاموشی سے سر جھکا دیا۔ جیسے اُس کا خود پر بس نہیں ہے لیکن اُس نے ڈاکٹر جوزف کا دِل رکھا۔ "آپ پریشان نہ ہوں۔ میں اپنا خیال رکھوں گی۔"

"بیٹی' زیب کی لاش سے جو سامان برآمد ہوا تھا وہ میں آج لے کر آیا ہوں۔ اِس شاپر میں وہ سامان ہے۔ تم یہ دیکھ لینا۔ میں چلتا ہوں۔" یہ کہہ کر ڈاکٹر جوزف نے زرقا سے اجازت لی اور چلا گیا۔

زرقا نے جب اُس شاپر کو ہاتھ لگایا تو اُس کے دِل کو کچھ ہونے لگا۔ اب اُس کے پاس صرف زیب سے وابستہ چیزیں ہی رہ گئی تھیں۔ اُسے یہ سب ایک خواب سا لگتا لیکن پھر اُس کے دِل کے کسی گوشے سے بے بسی کی یہ آواز اُٹھتی' کاش یہ خواب ہی ہوتا۔

زرقا نے شاپر کھولا تو اُس میں گاڑی کے کاغذات' اور کیش کے ساتھ ایک زیور کا ڈبہ تھا۔

زرقا نے وہ ڈبہ کھولا تو اُس کی نگاہیں بھیگنے لگیں۔

ماضی کے دریچوں سے کسی یاد نے اُس کے دِل کو تار تار کردیا۔ اُس ڈبے میں وہ سونے کی چوڑیاں تھیں۔ جن کا ذکر زیب نے زرقا سے فون پر کیا تھا کہ وہ اُس

کے لیے ایک خوبصورت تحفہ لا رہا ہے۔

زرقا کی بھیگی ہوئی نگاہیں اُن چوڑیوں پر ہی ٹھہر گئیں۔ اُس کا پورا چہرہ اشکوں سے تر ہو گیا۔

"زرقا! مجھے تحفہ لانے سے منع مت کیا کرو۔ اسے زیب کی باتیں یاد آنے لگیں۔ وہ کہہ رہا تھا۔" "یہ تحفے بہت عجیب چیز ہوتے ہیں۔ دینے والے کے ہاتھوں کی خوشبو خود میں جذب کرلیتے ہیں اور اگر زندگی کی مسافت میں وہ لوگ ہم سے بچھڑ جائیں تو یہ خوشبو ہمیں یادوں کی راکھ کا حصہ نہیں بننے دیتی اور اِس احساس سے ہماری پوری زندگی معطر کردیتی ہے کہ کوئی ہر جگہ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے۔"

زیب کے اِس آخری جملے کے یاد آنے سے زرقا کا دِل مزید بھر گیا۔ وہ بے بسی میں اِس طرح رونے لگی کہ جیسے اُس کی آنکھوں کی یہ برسات کبھی نہیں تھمے گی۔ وہ خود کو کبھی بھی سمجھا نہیں پائے گی۔

لیکن وقت بڑے سے بڑے زخم کا مداوا بن جاتا ہے۔

انسان جب کچھ کھوتا ہے تو وہ کرچیوں میں بکھر جاتا ہے لیکن اگر اُسے دِل میں زخم لیے حوصلے سے جینا آجائے تو وہ کرچیوں سے ایک چٹان بن جاتا ہے۔

کافی عرصہ تک زرقا خود کو سمجھا نہیں سکی۔ پھر بالآخر اُس نے بھی حوصلے سے جینا شروع کردیا اور جاگیر کا سارا حساب کتاب دیکھنا شروع کردیا۔

وہ پوری حویلی میں ملازموں کے ساتھ اکیلی رہتی تھی۔

☆======☆======☆

زرقا نے زیب کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ تو وہ بے حد مصروف ہوگئی۔ اِس لیے یہ عذاب جیسی زندگی کاٹنا اُس کے لیے کچھ سہل ہوگیا لیکن پھر بھی وہ بعض اوقات اتنی ڈیپریس ہوجاتی کہ اُس کا دِل چاہتا کہ زندگی کا دامن چھوڑ کر موت کو گلے لگالے۔ کیونکہ اگر وہ زیب کی موت کے صدمے کو نظرانداز کرتی تو اولاد کی

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

محرومی اُسے شکستہ کردیتی۔ وہ سوچتی کہ میں کس کے لیے یہ جاگیر سنبھال رہی ہوں۔ کون ہوگا اِس کا وارث؟ میں کتنی بدقسمت ہوں' اپنے شوہر کو وارث بھی نہ دے سکی جو اُس کا نام زندہ رکھتا۔ زرقا سوچ کے اِس کرب میں چکنا چُور ہوجاتی لیکن جب سوچ کے اِس حصار سے نکلتی تو جینے کے لیے خود کو پھر مضبوط کرلیتی۔ اسی کشمکش میں چھ ماہ گزر گئے۔

☆=========☆=========☆

زیب کی وفات کو جب سال ہوگیا تو زرقا نے اُس کی برسی پر قرآن خوانی کروائی۔ حویلی کے دروازے محتاجوں اور ضرورت مندوں کے لیے کھول دیئے گئے۔ بڑے اجتماع پر مشتمل میلاد کروایا گیا۔ اِس میلاد میں مولوی صلاح الدین نے درس دیا۔

میلاد سے فارغ ہوکے لوگوں نے کھانا کھایا اور گھروں کو لوٹ گئے لیکن مولوی صاحب وہیں رُک گئے۔ وہ زرقا سے کوئی بات کرنا چاہتے تھے۔ اُنھوں نے ایک خادم سے کہا کہ زرقا بی بی سے کہو میں اُن سے ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔ نوکر کے پیغام پر زرقا آئی اور مولوی صاحب کے قریب بیٹھ گئی۔

"جی مولوی صاحب' آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

مولوی صاحب تسبیح کے دانے پڑھتے ہوئے کچھ دیر خاموش رہے۔ پھر آنکھیں نیچے کرتے ہوئے سر جھکا لیا۔ "بیٹی! زیب صاحب ایک باعمل اور نیک انسان تھے۔ میں اُن سے کبھی بھی کسی بدعملی کی توقع نہیں کرسکتا۔ وہ جتنا عرصہ جیے' محتاجوں کے کام آتے رہے۔ اُن کی اِس نیک عملی کے عوض اُن کا ایک بہت بڑا راز میں نے اپنے دِل میں چھپا کے رکھا لیکن اب یہ ضروری ہے کہ میں آپ کو اِس راز سے آشنا کردوں۔

"میں زیب صاحب کی جاگیر کا رہنے والا ہوں۔ اپنے گھر اکثر ملنے جاتا ہوں۔

وفات سے قبل جب زیب صاحب اپنی جاگیر پر گئے ہوئے تھے تو میں وہیں تھا۔ ایک صبح زیب صاحب نے مجھے اپنی کوٹھی میں بلایا اور میرے زیرِ سایہ ایک عورت کو اپنے نکاح میں لیا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ اِس راز کو اپنے سینے میں دفن کرلوں۔ میں نے اِس پر اِس لیے اقرار کرلیا کہ میرے ذہن نے یہی سوچا کہ زیب صاحب کے اِس عمل میں بھی کوئی مصلحت ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اِس عورت کو تحفظ دینا چاہتے ہوں۔ میں زیب صاحب کے بارے میں کبھی کوئی غلط رائے قائم نہیں کرسکتا۔

"البتہ میں آپ سے یہ کہنے آیا ہوں کہ اگر ہوسکے تو آپ اُن کی منکوحہ کو اپنے پاس بلالیں۔ اِس طرح زیب صاحب کی روح کو سکون ملے گا۔"

یہ انہونی اور تلخ حقیقت سن کر زرقا کے دِل و دماغ کو ایسا دھچکا لگا کہ اُس کا ذہن سُن سا ہوکر رہ گیا۔ جیسے آج اُس کا مان ہی ٹوٹ گیا ہو۔ چند جملوں کی تیز دھار نے اُس کے شکستہ دِل کو چیر کے رکھ دیا۔

لیکن احساسات کی اِن تمام اذیتوں کے باوجود اُس کی کیفیت مولوی صاحب سے مختلف نہیں تھی۔ اُس کا دل بھی زیب کو گناہ گار سمجھنے سے قاصر تھا۔ اُس کے دل سے یہی آواز ابھر رہی تھی کہ یہ سب زیب نے کسی مجبوری کے تحت کیا ہوگا۔ میرے ہوتے ہوئے وہ کبھی بھی دوسری شادی کا تصور تک نہ کرسکتا تھا۔ زرقا زیب کو بہت اچھی طرح سے جانتی تھی۔ دوسری شادی کی بات تو زیب مذاق میں بھی برداشت نہیں کرتا تھا۔

اِن تمام حقیقتوں کو قبول کرنے کے باوجود زرقا کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

اُس نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔ "مولوی صاحب! زیب صاحب نے جو کچھ بھی کیا۔ اِس میں کوئی مصلحت ہوگی۔ بہرحال اُن سے منسوب ہر چیز مجھے عزیز ہے اور وہ تو اُن کی منکوحہ ہے۔ میں کل ہی اُسے لانے کے

لیے کسی کو بھیجتی ہوں۔ وہ میرے ساتھ اِس گھر میں رہے گی۔ زیب کی جائیداد میں وہ میری برابر کی حقدار ہوگی۔"

زرقا کے اِس جذبے پر مولوی صاحب کی آنکھوں میں خوشی سے چمک آگئی۔ اُس کی زبان سے بے اختیار نکلا۔ "سبحان اللہ! خدا تمہیں اس انصاف کا اجر دے گا۔ آمین"

یہ کہہ کر مولوی صاحب جانے کے لئے کھڑے ہوئے۔ زرقا نے اُن کے ساتھ کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"آپ کو اُس عورت کا نام تو یاد ہوگا۔" مولوی صاحب نے زرقا کی طرف پلٹ کر دیکھا۔

"ہاں بیٹے! اُس عورت کا نام صائم تھا۔ بس اِس کے علاوہ میں اُس کے بارے میں اور کچھ نہیں جانتا۔" یہ کہہ وہ چل دیئے۔

اگلے روز زرقا نے صائم کو لانے کے لیے اپنے منشی اور ایک بزرگ ملازمہ کو اُس کوٹھی بھیجا۔ جہاں زیب جاگیر کے گشت کے دوران رہا کرتا تھا۔

جب اُن دونوں نے اُس کوٹھی میں تالہ لگا دیکھا تو انہوں نے پوری جاگیر کا گشت لگایا لیکن اِس بات پر وہ حیران رہ گئے کہ کوئی بھی زیب کی دوسری بیوی کے متعلق نہیں جانتا تھا۔

اِس شادی کے متعلق زیب کا وفادار نوکر فضلو اور اُس کی بیوی ہی جانتے تھے لیکن اپنے بچے اور زیب کی وفات کے بعد وہ دونوں اُس علاقے کو چھوڑ کر نہ جانے کہاں چلے گئے تھے۔

لہٰذا وہ منشی اور ملازمہ زرقا کے پاس ناکام لوٹے۔

زرقا نے جب یہ صورت حال دیکھی تو اُس نے زیب کی دوسری بیوی کی تلاش بڑے پیمانے پر شروع کردی۔ اُس نے اپنے اثر و رسوخ کے بل بوتے پر ملک

کا کوئی حصہ نہیں چھوڑا جہاں اُس عورت کو تلاش نہ کیا ہو لیکن کہیں سے بھی اُس کی موجودگی کی کوئی علامت تک نہ ملی۔ وہ یوں غائب ہوگئی تھی جیسے وہ اِس دھرتی پر موجود ہی نہ ہو۔

یہ تمام صورت حال زرقا کے لیے سخت پریشانی کا باعث بن گئی۔ اُسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ زیب کی روح کے آگے شرمندہ ہو رہی ہے کہ اُس کی دوسری بیوی کو وہ اُس کا مقام نہ دے سکی۔

ایک روز زرقا اِسی پریشانی میں بیٹھی ہوئی تھی کہ اُس کی ملازمہ اُس کے قریب آکر بیٹھ گئی۔

"بی بی جی آپ نے شاہ ولی کا نام سنا ہے؟"

"ہاں! اُن کی شہرت تو بہت بہت دور دور تک ہے۔ سنا ہے کہ اُن کا دِل و دماغ روحانی طاقتوں کا منبع ہے اور کئی آسیب اُن کے مئوکل ہیں۔"

"تو بی بی جی آپ وہاں کیوں نہیں جاتیں۔ وہ اپنے مئوکل سے پتا لگالیں گے کہ دوسری بیگم صاحبہ کہاں ہیں۔" ملازمہ نے زرقا کے پیر دباتے ہوئے کہا۔

"اُن کی حویلی کی دہشت ہی کچھ اِس طرح کی ہے کہ لوگ وہاں جاتے ہوئے گھبراتے ہیں مجھے تو وہاں جاتے ہوئے بہت ڈر لگتا ہے لیکن اگر صائم کا پتہ چل سکتا ہے تو میں وہاں ضرور جاؤں گی۔" زرقا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"وہ سیالکوٹ کے ایک چک میں قیام پذیر ہیں غالباً چک نمبر32 میں اُن کی حویلی ہے۔ ہم کل صبح ہی روانہ ہوجائیں گے۔ ڈرائیور سے کہنا کہ گاڑی سیٹ کرلے۔"

"جیسا آپ کا حکم بیگم صاحبہ!" یہ کہہ کر ملازمہ وہاں سے چلی گئی۔

اگلے روز زرقا اپنی ملازمہ کے ساتھ سیالکوٹ کے لیے روانہ ہوئی۔ کافی لمبے سفر کے بعد وہ لوگ سیالکوٹ پہنچے۔

سیالکوٹ کے چک نمبر32 میں پہنچ کر انہوں نے شاہ ولی کی حویلی میں حاضری

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

دی۔

شاہ ولی کی حویلی اُس کے مریدوں اور سائلوں سے بھری ہوئی تھی۔ اُن کی عزت و تکریم کی انتہا دیکھ کر زرقا بھی زمین پر بچھی ہوئی صف میں لوگوں کے ساتھ بیٹھ گئی۔

وہ بزرگ آنکھیں بند کیے سر کو جھکائے نیچے بیٹھے تھے۔

جب کوئی سائل آکر اُنھیں اپنا مسئلہ بیان کرتا تو وہ اِسی انداز میں اُس کی پریشانی سنتے اور پھر کچھ دیر کے بعد وہ آنکھیں کھولتے اور اُس کی مشکل دور کرنے کی کوشش کرتے۔

کافی دیر کے بعد زرقا اُن کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اُن کے قریب بیٹھ گئی۔

زرقا نے انھیں اپنا مسئلہ بیان کیا۔ وہ آنکھیں بند کیے زرقا کی بات سنتے رہے۔ جب زرقا نے اپنی بات مکمل کرلی تو انہوں نے آنکھیں کھولیں اور نہایت دھیمے انداز میں کلام کیا۔

"تمھارا مسئلہ میں نے سن لیا ہے اِس کے بارے میں آج رات میں عمل کروں گا۔ کل صبح فجر کے وقت میرے پاس آنا۔ اُس وقت میں اکیلا ہوتا ہوں۔ انشاء اللہ تمھیں اُس عورت کے متعلق ضرور علم ہوجائے گا۔ ایسے عمل پیچیدہ ہوتے ہیں۔ اِن میں آسیبوں کا دخل ہوتا ہے۔ اِس لیے صبح فجر کے وقت آنا۔"

زرقا نے اُن کی یہ بات سنی تو اُس کی آنکھیں بھر آئیں۔ "خدا آپ کو اور عزت دے۔ آپ نے میرا مان رکھ لیا۔ بس آپ یہ بھی دعا کیجیے گا کہ میں اپنے خدا کے آگے اور زیب کے آگے سرخرو ہوسکوں۔" یہ کہہ کر زرقا عزت و احترام بجا لاتے ہوئے اُلٹے قدموں وہاں سے باہر آگئی۔

زرقا اور اُس کی ملازمہ رات بھر کے لیے اُس گاؤں میں ہی ٹھہر گئیں اور پھر

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

جونہی فجر کا وقت ہوا' وہ دونوں حویلی کی طرف چل دیں۔

حویلی میں داخل ہونے کے بعد وہ دونوں ایک ہال نما کمرے میں داخل ہوئیں۔ صبح کی دھیمی دھیمی روشنی میں اُس ہال نما کمرے میں تقریباً اندھیرا ہی تھا۔ کمرے کے نصف حصے میں ایک طرف قطار میں دیئے جل رہے تھے۔ جس کے باعث اُس حصے میں دھیمی دھیمی سی روشنی تھی۔ تھوڑے ہی فاصلے پر بابا شاہ ولی سر جھکائے بیٹھے ہوئے تھے۔

زرقا اور اُس کی ملازمہ اُن کے قریب آگئیں تو انہوں نے آنکھیں کھولے بغیر بہت دھیمے سے انداز میں کہا۔

"بیٹھ جاؤ۔"

زرقا اور ملازمہ زمین پر اُن کے قریب بیٹھ گئیں۔ بابا شاہ ولی نے زرقا کی طرف دیکھا تو زرقا نے بے چینی سے پوچھا۔ "کچھ علم ہوا بابا جی!"

"صبر کرو بیٹی! جو کچھ میرے علم میں آیا ہے۔ وہ میں تمھیں بیان کروں گا۔ باقی ہمارا مشکل کشا تو سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ دِل کی گہرائیوں سے اُس سے دعا کرو وہ تمھارے دِل کی ہر مراد پوری کرے گا۔"

"باباجی! اُس ذات کے سہارے پر ہی تو یہ کٹھن زندگی گزار رہی ہوں۔ آپ بتائیں کہ آپ کے علم میں کیا آیا ہے؟"

بابا شاہ ولی نے تھوڑی دیر کے لیے آنکھیں بند کیں اور پھر سر کو جھکاتے ہوئے کہنے لگے۔ "ایسا میرے ساتھ پہلی بار ہوا ہے کہ مجھے اپنے عمل کو بار بار دہرانا پڑا لیکن ہر بار ایک عجیب سی بات سامنے آئی۔

"میں نے اپنے عمل کی طاقت سے اپنے مؤکل کے ذریعے جب بھی صائم تک پہنچنے کی کوشش کی تو میرا عمل ایک مقام پر پہنچ کر رک جاتا ہے اور اُس مقام پر میرے مؤکل کو کسی عورت کا کوئی وجود دکھائی نہیں دیا۔ یوں لگتا ہے جیسے اُس مقام

سے آگے کوئی بہت بڑی طاقت ہے جس پر میرا کوئی عمل اثر نہیں کر رہا لیکن اِس سارے معمے میں ایک عجیب بات عیاں ہوتی ہے۔

"میں نے اپنے عمل کو بار بار دہرایا۔ جس مقام پر میرا عمل رُکتا ہے۔ وہاں ایک تین ماہ کا بچہ ہے۔ جب میں نے ہر بار اپنے عمل کے نتیجے میں اس بچے کی صورت کو ہی پایا تو میرے ذہن کا جھکاؤ اُس بچے کی طرف ہوگیا۔ میں نے اُس کے متعلق جاننے کے لیے اُس پر عمل کیا۔ اُس عمل کے نتیجے میں ایک ایسی بات کا علم ہوا ہے کہ تم خوشی سے پاگل ہوجاؤ گی۔ وہ بچہ زیب اور صائم کی اولاد ہے۔ تمہاری جائیداد کا وارث ہے۔ وہ تمہارے شوہر کا نام زندہ رکھے گا۔"

یہ بات سنتے ہی زرقا کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ وہ خوشی کے مارے اپنے آپ میں نہ رہی۔ "بابا جی! کچھ بھی کریں' اب تو اُس کے پاس ہمارا وارث بھی ہے۔ آپ کو نہیں معلوم' میں اور زیب کتنا تڑپے ہیں اِس خوشی کے لیے' مجھے تو آپ کی بات کی بالکل سمجھ نہیں آرہی کہ آخر آپ کا علم اُس عورت تک کیوں نہیں پہنچ رہا۔"

"تم اِس بات کو نہیں سمجھ سکتیں۔ بس اتنا سمجھ لو کہ جو چیز ہمارے عمل کو مشکل لگے' ہم اُس سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ روحانی طاقتوں کا سنبھال کیا چیز ہے۔ یہ تم نہیں جان سکتیں۔ اِن میں غفلت انسانی خون مانگتی ہے۔ تم اُس بچے تک رسائی خود سے کبھی حاصل نہیں کرسکتیں۔ میں نے اُس بچے کی تمہارے گھر تک رسائی کا جو حساب نکالا ہے۔ اُس کے مطابق تمہیں ایک لمبا عرصہ انتظار کرنا پڑے گا۔

"آج سے ٹھیک بیس سال بعد وہ لڑکا خود تمہاری حویلی چل کر آئے گا۔ اُس بچے کے دائیں ہاتھ کی کلائی پر پنجے کا نشان ہے اور نام روحیل ہے۔ یاد رکھنا اگر اِس عرصے سے پہلے تم نے اُس بچے کو ڈھونڈنے کی کوشش کی تو بہت خسارہ اٹھاؤ گی۔ تم صائم اور اُس بچے کو فی الحال بھول جاؤ۔

"بس انتظار کرو۔ وقت تمہیں تمہاری خوشیاں ضرور لوٹا دے گا۔ بس یہ ہے

کہ ان خوشیوں کے ملنے سے پہلے کی مدت بہت کٹھن ہے۔ بہت آزمائش ہیں لیکن وہ خدا کی ذات تجھے سب کچھ دے گی۔ بس تو اپنے گھر جا اور صبر کر خدا کی عبادت کر اور پُر امید ہو کے انتظار کر۔"

بابا شاہ ولی کی باتیں سن کر زرقا کو یوں لگا جیسے اُس کی بے مقصد زندگی نے کسی منزل کا تعین کرلیا ہو۔ وہ دِل میں صبر کا خزانہ بھر کے وہاں سے چل دی۔

☆----------☆----------☆

وقت کے دھارے نے چھ سال سمیٹ لیے لیکن زرقا کے سُونے گھر میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ پھر ایک روز زرقا کی تنہائیوں میں تبدیلی ایک بُری خبر کے روپ میں آئی۔ زرقا کی چھوٹی بہن رخسانہ کے شوہر کا انتقال ہوگیا۔ زرقا نے اپنی اُس چھوٹی بہن کو اُس کے دو بچوں سمیت اپنے پاس بلالیا۔ بڑی بیٹی تھی جس کی عمر پانچ سال تھی اور نام اقصیٰ تھا۔ اُس سے دو سال چھوٹا بھائی تھا ارسلان جسے پیار سے سب ارسل کہتے تھے۔

وہ لوگ زرقا کے گھر آئے تو جیسے زرقا کے گھر کی ساری ویرانی رونق میں بدل گئی۔ زرقا لمحہ بہ لمحہ مرنے سے بچ گئی۔ وقت کی یہ کرب ناک مسافت بچوں کے قہقہوں اور اُن کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں میں کب کٹ گئی' اُسے محسوس بھی نہ ہوا۔

بس ایک آس اور امید کے دیپک نے اُس کے دِل میں اجالا کر رکھا تھا کہ ایک روز اُس کا روحیل خود چل کر اِس حویلی میں آئے گا۔ من میں اِس آس کی خوشی تھی اور باہر بہن اور بچوں کا پیار۔

اِن خوبصورت سہاروں کے ساتھ دس سال مزید گزر گئے۔ اقصیٰ کی عمر پندرہ برس ہوگئی اور ارسل کی تیرہ برس۔

ارسل پڑھائی سے دِل چراتا تھا۔ جبکہ اقصیٰ انتہائی لائق لڑکی تھی۔ وہ ہر دفعہ ٹاپ کرتی۔

اقصیٰ کی اِس قابلیت کو دیکھتے ہوئے زرقا نے اُسے میٹرک کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن بھجوادیا۔ جبکہ ارسلان اُن کے پاس پاکستان ہی میں رہا۔

☆-------☆-------☆

زندگی کے اِن ہنگاموں نے زرقا کو یادوں کی راکھ کا حصہ بننے نہیں دیا۔ اقصیٰ اور ارسلان کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کے ساتھ وہ اپنے بہت سے غم بھول گئی۔ ماضی کی تمام یادوں کو اُس نے اپنی زندگی کے اثاثے کے طور پر دِل میں محفوظ کر رکھا تھا۔ روحیل کا انتظار اس کی رگوں میں سرایت کر چکا تھا۔ اُسے اپنے خدا پر بھروسہ تھا کہ ایک دن اُس کا روحیل ضرور آئے گا۔

اقصیٰ ہر سال پاکستان ان سے ملنے آجایا کرتی تھی۔ اُس کی اپنی تعلیمی مصروفیات میں چار سال گزر گئے۔ وہ چوتھے سال پاکستان نہیں آئی۔ اُس کی تعلیم مزید Strick ہوگئی۔ اُس نے اپنی والدہ اور زرقا سے رابطہ کیا کہ اب وہ پاکستان اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ہی آسکے گی۔ جب وہ ایک اچھی سائیکالوجسٹ بن جائے گی۔

زرقا اور رخسانہ کو اقصیٰ کی اِس قابلیت پر فخر تھا۔ وہ ہمیشہ اُس کی کامیابی کے لیے دعاگو رہتیں۔ اقصیٰ کا دِل بھی اُس کے ذہن کی طرح بہت وسیع تھا۔ وہ محبت کے جذبے سے سرشار تھی۔ وہ ہمیشہ ہی سے دوسروں کے دکھ درد کو شدت سے محسوس کرتی۔ اس لیے اُس نے اپنی تعلیم کے لیے نفسیات کا انتخاب کیا تھا۔ ایک سال مزید گزر گیا۔ اب اقصیٰ کے آنے میں صرف ایک سال باقی رہ گیا تھا۔ کچھ ہی ماہ بعد جب وہ اگلا سال چڑھا تو سب گھر والوں کی بے چینی انتہا کو پہنچ گئی۔

لیکن اس سال زرقا کی حالت ایسی تھی کہ وہ اپنے آپ ہی میں نہ تھی۔ وہ دن

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

رات سجدے میں گری رہتی۔ اُسے کسی چیز کی ہوش نہیں تھی۔ یہ سال وہ سال تھا جس سے اُس کی زندگی کی ایک ایک کڑی جڑی تھی۔ جس سے امیدیں وابستہ کرکے وہ اپنے سارے غم بھول گئی تھی۔ یہ وہ سال تھا جس میں بابا شاہ ولی کے کہنے کے مطابق روحیل نے آنا تھا۔

لوگ زرقا کی اِس بات پر یقین نہیں کرتے تھے یہاں تک کے اُس کی بہن رخسانہ اور اُس کی اولاد بھی اِس بات کو تسلیم نہیں کرتے تھے لیکن زرقا کی ہر سانس اِس امید سے بندھی تھی۔

جوں جوں مہینے گزرتے گئے۔ زرقا کی بے چینی بڑھتی گئی۔ انتظار میں اُس کی حالت غیر ہوگئی۔

رخسانہ اُس کی اِس حالت پر ہمیشہ ترس ہی کھاتی اور اُسے بار بار سمجھاتی لیکن زرقا کا یقین اتنا پختہ تھا جتنے کہ اُس کے جذبے۔ زندگی کے انہی ولاسوں میں کئی اور مہینے گزر گئے۔ زرقا کی حالت ایسے ہوگئی جیسے وہ برسوں کی بیمار ہو لیکن خوشی کی ایک جھلک نے اُس کے غم کی شدت کو کچھ کم کردیا۔

اقصیٰ نے Final-year میں اعلیٰ کامیابی حاصل کی اور وہ اِسی اکتوبر کے مہینے کی 16 تاریخ کو مستقل پاکستان آرہی تھی۔

خوشی کی اِس خبر پر زرقا نے اپنے آپ کو سنبھالا اور اقصیٰ کی آمد کی خوشی میں بہت پہلے سے ہی حویلی کو سجانا شروع کردیا۔ کچھ ہی دِنوں کے بعد 16 اکتوبر کو جب اقصیٰ کی فلائٹ تھی، گھر کا ہر فرد خوشی میں سرشار تھا۔ پوری حویلی میں رنگا رنگ کھانوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

"بھئی سارے کام جلدی جلدی کرو۔ ارسلان اقصیٰ کو لے کر پہنچنے ہی والا ہوگا۔"

زرقا ملازموں پر چلا رہی تھی کہ باہر ارسلان کی گاڑی ہارن کا شور مچاتی ہوئی

رکی۔

سب لوگ خوشیوں بھرے جذبے لیے گیٹ کی طرف لپکے۔ اقصیٰ گاڑی سے باہر نکلی تو اپنے آپ کو اتنی محبتوں میں دیکھ کر اُس کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ آگے بڑھ کر زرقا سے لپٹ گئی۔ زرقا نے اقصیٰ کو گلے لگالیا۔ تو اُس کے ممتا سے بے چین دل کو جیسے سکون مل گیا۔ اُس نے اپنی بھیگی ہوئی نگاہوں سے اقصیٰ کے چہرے کی طرف دیکھا اور اُس کی پیشانی چومی۔

پھر اقصیٰ رخسانہ کی طرف بڑھی۔ رخسانہ انتہائی سادہ عورت تھی۔ خوشی کے مارے پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔

اقصیٰ اتنا عرصہ اپنے ملک سے باہر رہی لیکن مغربی تہذیب اُس کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ اُس کا ہر طرزِ عمل اپنے ملک کے کلچر سے وابستہ تھا۔ وہ سادہ لوح اور صابر لڑکی تھی۔ اپنے ملک مستقل آنے پر وہ انتہا سے زیادہ خوش تھی۔

☆==========☆==========☆

رات گئے تک وہ لوگ باتیں کرتے رہے۔

"اتنے مزیدار پاکستانی کھانوں کے لیے تو میں ترستی رہتی تھی۔ آج امی اور آنٹی نے تو کمال کا کھانا پکایا۔"

"بھئی کمال کا کیسے نہ ہوتا۔ اتنی چاہت سے جو پکایا تھا۔" رخسانہ نے اقصیٰ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا تو اقصیٰ نے مسکراتے ہوئے اُن کے کندھے پر سر رکھ لیا۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے وہ یک لخت سنجیدہ ہوگئی۔ وہ زرقا کی طرف مسلسل دیکھ رہی تھی۔ آخر اُس کے دِل کی بات زبان پر آگئی۔

"امی! آنٹی زرقا کیا بیمار ہوگئی تھیں۔ ان کی صحت اتنی خراب کیوں ہوگئی ہے؟"

اقصیٰ کے اِس سوال پر زرقا نے خاموشی سے سرجھکالیا لیکن رخسانہ چپ نہ رہ

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

سکی۔ وہ ترش روئی سے بولی "اِن کا دِل و دماغ ابھی تک اُسی وہم کا شکار ہے کہ اِن کا بیٹا ایک دِن ضرور آئے گا۔ جسے انہوں نے دیکھا تک نہیں۔"

رخسانہ کی اِس بات پر اقصیٰ نے ترچھی نظر سے زرقا کی طرف دیکھا اور بہت عالمانہ سے انداز میں بولی۔

"امی' یہ بات تو نفسیات بھی کہتی ہے کہ جس چیز کا یقین دِل و دماغ دونوں کو ہو اور لاشعوری طور پر اُس چیز کا انتظار بھی ہو۔ تو دنیا میں کہیں نہ کہیں اُس چیز کا وجود ضرور ہوتا ہے۔ آنٹی زرقا کا پختہ یقین اِس بات کا ثبوت ہے کہ ان کا بیٹا زندہ ہے اور آنٹی کے سچے جذبوں کی کھینچ اُسے یہاں تک ضرور لائے گی۔" یہ کہہ کر اقصیٰ زرقا سے لپٹ گئی اور اُس کے آنسوؤں کو اپنے دامن میں چھپالیا۔

☆==========☆==========☆

اقصیٰ کی وجہ سے پورے ایک ہفتے تک گھر میں مہمانوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ گھر میں ایک گہما گہمی سی رہی۔ اقصیٰ نے اپنا کمرہ بہت خوبصورت ڈیکوریٹ کروایا۔ حویلی کے گملوں سے بھرے خوبصورت صحن کے ایک طرف ایک چھوٹی سی سیڑھی انتہائی خوبصورت پورشن کی طرف جاتی تھی۔ جو ایک وسیع اور خوبصورت کمرے پر مشتمل تھا۔ اُس کمرے کے تھوڑے فاصلے پر ایک گرل لگی ہوئی تھی جو خوبصورت پھولدار بیلوں سے بھری ہوئی تھی۔ وہ سارا حصہ بہت خوبصورت دکھائی دیتا تھا۔

اقصیٰ اکثر سوچتی کہ اِس کمرے کی Location کتنی خوبصورت ہے لیکن وہ ہمیشہ اِس پر تالہ ہی دیکھتی۔

ایک روز زرقا ملازمہ کو لے کر اُس کمرے کی طرف بڑھی۔ غالباً وہ اُس کمرے کی صفائی کروانا چاہتی تھی۔

اقصیٰ نے یہ دیکھا تو وہ تجسس سے زرقا کے پیچھے پیچھے چل دی۔

زرقا نے کمرے کا تالہ کھولا تو اقصیٰ نے کندھے اچکائے۔ "آج تو میں یہ کمرہ ضرور دیکھوں گی۔"

زرقا نے کمرے کا دروازہ کھولا تو اُس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ کمرہ انتہائی شاندار انداز میں ڈیکوریٹ کیا گیا تھا۔ اُس کی ہر چیز انتہائی قیمتی اور نایاب تھی۔ کسی بھی چیز پر گرد کا ایک ذرہ تک نہ تھا۔

اقصیٰ نے حیرت سے پوچھا۔ "آنٹی یہ کمرہ..........؟"

ابھی اقصیٰ کا سوال ادھورا تھا کہ زرقا کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ "یہ کمرہ میں نے روحیل کے لیے ڈیکوریٹ کیا ہے۔ ہر ہفتے میں اِس کی صفائی کروا دیتی ہوں۔"

زرقا کی یہ بات سن کر اقصیٰ خاموش ہی ہو گئی۔ جیسے اُس کے پاس وہ الفاظ ہی نہ ہوں جس سے وہ زرقا کو دلاسہ دے سکے۔ وہ خاموشی سے وہاں سے چلی گئی۔

☆==========☆==========☆

اگلے روز زرقا فجر کی اذان کی آواز پر نیند سے بیدار ہوئی۔ اُس نے وضو کیا اور نماز ادا کی۔ نماز ادا کرنے کے بعد وہ لان میں چلی گئی۔ زرقا کے دِل کو نہ جانے کیا ہوا کہ وہ لان کی گھاس پر چپ چاپ بیٹھ گئی۔ اُس کا دِل چاہا کہ وہ وہیں بیٹھی رہے۔ کچھ دیر تک وہ ایسے ہی بیٹھی رہی۔ صبح کی ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی آہستہ آہستہ پھیلنے لگی۔

زرقا اپنی کسی سوچ میں گم تھی کہ اچانک لان میں لگے ایک درخت کی شاخیں اِس طرح جھولنے لگیں جیسے کوئی تیز طوفان آگیا ہو۔ اِس آواز سے زرقا چونک سی گئی۔ کیونکہ ہوا کا نام و نشان تک نہ تھا۔ موسم میں انتہائی ٹھنڈک تھی لیکن ہوا نہیں چل رہی تھی۔ ہر طرف دھند چھائی ہوئی تھی۔

زرقا نے تصور کیا کہ درختوں کی شاخوں کے بیچ شاید کوئی جانور ہے جو بے چین

میں ساری شاخوں کو ہلا رہا ہے۔

زرقا یہ سوچ ہی رہی تھی کہ اُس درخت میں سے پروں کے پھڑپھڑانے کی آواز اُبھری۔ زرقا کی نظر اُس درخت پر ہی ٹھہر گئی۔ زرقا ایک خاردار پودے کے قریب کھڑی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک انتہائی خوبصورت شاہین اڑا اور زرقا کے قریب اُس خاردار پودے پر آکر بیٹھ گیا۔

وہ شاہین اِس قدر خوبصورت تھا کہ زرقا اُس کی خوبصورتی میں گم ہوگئی۔ وہ اپنی گردن اچکائے زرقا کی طرف اِس طرح دیکھ رہا تھا جیسے اُسے زرقا نے ہی پالا ہو لیکن اتنی خوبصورتی کے باوجود اُس کے انداز میں ایک وحشت تھی۔ جیسے وہ جب چاہے کسی کی آنکھیں نکال لے گا۔

زرقا کو اُس پر پیار بھی آرہا تھا اور ایک انجانا سا ڈر بھی محسوس ہو رہا تھا۔

زرقا نے حوصلہ کرکے اُس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ تو اِس سے پہلے کہ زرقا اُسے چھوتی' وہ اپنی جگہ سے اڑا اور انتہائی شاہانہ انداز میں پرواز کرتا ہوا آسمان کی وسعتوں میں کھو گیا۔

زرقا اپنی جگہ پر کھڑی اُسے دیکھتی ہی رہ گئی۔ صبح کے اِس طرح کے آغاز کے بعد نہ جانے کیوں زرقا کی طبیعت میں ایک بے چینی سی آگئی۔ اُس شاہین کا تصور اُس کی نگاہوں میں ٹھہر سا گیا۔ اتنا معمولی سا واقعہ اُس کے لیے خاص اہمیت کیسے اختیار کرگیا یہ وہ خود بھی جان نہیں پارہی تھی۔

☆=========☆=========☆

سارا دِن آسماں پر گھنے بادل چھائے رہے لیکن جب دِن کا روپ رات کی سیاہی میں بدل گیا تو یہ گھنے بادل ایک خوفناک طوفان کے روپ میں برسنے لگے۔

اِسی اثناء میں بجلی چلی گئی۔ بجلی کے جاتے ہی پوری حویلی میں سوئی گیس کے دھیمے دھیمے بلب روشن ہوگئے۔ وہ دھیمی روشنی تھوڑے فاصلے تک ہی پہنچ رہی

scanned by iqbalmt@oneurdu.com

تھی۔

تقریباً آدھی حویلی اندھیرے میں ہی ڈوبی ہوئی تھی۔ آسمانی بجلی ایک خوفناک لشکارے کے ساتھ ایک بار پوری حویلی کو روشن کردیتی اور پھر ایک دہشت ناک کڑک کے ساتھ ہر طرف خوف و ہراس پھیلا دیتی۔

اقصیٰ دروازے کی چوکھٹ پر کھڑی اِس خوفناک موسم کو Enjoy کر رہی تھی۔ جبکہ زرقا انتہائی گھبراہٹ میں ٹی وی لاؤنج کے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔

"اقصیٰ! یہاں آکر بیٹھ جاؤ بہت خراب موسم ہے۔" زرقا نے اقصیٰ کو بلایا۔

"آنٹی ابھی آتی ہوں۔ بس تھوڑی دیر اور"۔

رخسانہ بھی وہیں بیٹھی ہوئی تھی۔

سوئی گیس کے بلب کی روشنی آدھے ٹی وی لاؤنج تک پھیلی ہوئی تھی۔ ٹی وی لاؤنج کے نصف حصے پر رکھے گئے صوفے پر قدرے اندھیرا تھا۔

کچھ دیر کے بعد ٹی وی لاؤنج کے دروازے سے قدموں کی آواز ابھری۔ جیسے کوئی دروازے سے اندر داخل ہوا ہو۔ پھر اُن قدموں کی آہٹ ٹی وی لاؤنج کے نصف حصے میں آکر رک گئی۔ جہاں قدرے اندھیرا تھا۔ زرقا نے سوچا کہ اقصیٰ کمرے میں آئی ہے۔ وہ ہنس کر بولی۔ "بہت موڈی ہے یہ لڑکی۔ اب اندھیرے میں بیٹھ گئی۔"

ابھی یہ فقرے زرقا کی زبان سے نکلے ہی تھے کہ لائٹ آگئی۔ لائٹ کے آتے ہی زرقا اور رخسانہ چونک کر رہ گئیں۔ اُن کے سامنے زبردست قد و قامت کا ایک وجیہہ نوجوان کھڑا تھا۔ گورے رنگ کے ساتھ ساتھ وہ انتہائی پُرکشش نین نقش کا مالک تھا۔

رخسانہ گرج دار آواز میں بولی۔ "کون ہو تم؟"

رخسانہ کی اِس ایک آواز پر حویلی کے کِن مینوں نے چاروں طرف سے اس

نوجوان کو گھیر لیا لیکن وہ لڑکا اِس طرح خود اعتمادی سے کھڑا تھا جیسے وہ اپنے ہی گھر میں کھڑا ہو۔

لیکن زرقا کی کیفیت عجیب تھی۔ اُس لڑکے کو کمرے میں اِس طرح پا کر پہلے تو زرقا چونک گئی لیکن جب اُس نے اُس کے چہرے کی طرف دیکھا تو اُس کی نگاہیں اُس لڑکے کے چہرے پر ٹھہر سی گئیں۔ اُس کے نین نقش زیب کے نین نقش سے بہت مشابہہ تھے۔

اسلحہ سے لیس کئی گن مین اُسے جھنجھوڑ رہے تھے لیکن وہ ایک پتھر کی طرح اپنی جگہ جامد تھا۔ اُن آدمیوں کے بھرپور جھٹکوں سے بھی وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا۔ گویا کہ اُس ایک انسان میں کئی انسانوں کی طاقت تھی۔ وہ جسامت کے اعتبار سے ایک مکمل باڈی بلڈر تھا۔

یہ عجیب سا شور سن کر اقصیٰ بھی وہاں آگئی۔

کوٹھی کے گارڈ پاگلوں کی طرح چِلّا رہے تھے لیکن وہ لڑکا بالکل خاموش تھا۔

آخر ایک آدمی کو شدید غصہ آگیا۔ اُس نے اپنی رائفل اٹھائی اور اُس کا دستہ اُس لڑکے کے پیٹ میں دے مارا۔ اُس لڑکے نے تکلیف سے جھٹکا لیا تو اقصیٰ غصے سے آگے بڑھی۔

"بغیر سچ جانے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے۔ آپ لوگ پیچھے ہٹیں۔ میں پوچھتی ہوں۔"

"بی بی جی! آپ اِس کے نزدیک نہ آئیں۔ یہ بہت خطرناک لگ رہا ہے۔"

ایک گارڈ نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"میں نے کہا نا۔ چپ چاپ پیچھے ہٹ جاؤ۔"

اقصیٰ کی بات سن کر وہ تین چار قدم پیچھے سرک گئے۔

اقصیٰ اُس لڑکے کی طرف بڑھی تو وہ اِس کے کپڑے دیکھ کر تعجب میں آگئی۔

اُس کی پینٹ شرٹ اِس طرح خشک تھی جیسے بارش نے اُسے چھوا تک نہ ہو۔

"اتنی شدید بارش میں تمہارے کپڑے بالکل خشک ہیں۔ تم اِس حویلی تک پہنچے کیسے؟"

وہ لڑکا کچھ دیر خاموش رہا لیکن پھر اُس نے اپنی زبان کی گرہ کھول دی۔ "میں یہاں کیسے پہنچا' اِس سے آپ کو کیا غرض۔ مجھے ہر حال میں یہاں آنا تھا۔ کوئی چھوڑ گیا ہے مجھے یہاں۔ اُس نے کہا تھا کہ میرا اصل گھر یہ ہے۔"

"کون چھوڑ گیا ہے تمہیں؟" اقصیٰ نے تعجب سے پوچھا۔

"میری ماں۔"

زرقا نے یہ گفتگو سنی تو وہ پاگلوں کی طرح اُس لڑکے کی طرف بڑھی۔

"کیا نام ہے تمہاری ماں کا۔ بتاؤ بیٹا!"

"صائم!" اُس لڑکے نے دھیمے سے انداز میں کہا۔ یہ سن کر زرقا تڑپ اٹھی۔ اُس کی رگوں میں خوشی کی لہر نے اُس کی نگاہیں بھگو دیں۔

برسوں سے جس کے انتظار میں وہ سسک رہی تھی۔ اُسے سامنے پا کر خوشی سے اُن کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ اُس نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھوں سے اُس لڑکے کا چہرہ تھام لیا۔ "تم روحیل ہو نا؟"

یہ کہہ کر زرقا نے اُس کا دایاں ہاتھ تھام لیا اور اُس کی شرٹ کا کف پیچھے کیا تو یہ دیکھ کر زرقا کی خوشی انتہا کو پہنچ گئی کہ اُس کے دائیں ہاتھ کی کلائی پر پنجے کا نشان واضح تھا۔

خوشی کے مارے زرقا کی زبان ہی لڑکھڑا گئی۔ "یہ............ یہ............ یہ میرا بیٹا روحیل ہے۔ جس کے آنے کی امید نے مجھے آج تک زندہ رکھا۔ دیکھو' میرے رب نے مجھے میرے صبر کا کیسا پھل دیا۔" اُس نے آگے بڑھ کر روحیل کی پیشانی پر بوسہ دیا تو اُسے یوں محسوس جیسے دنیا بھر کی خوشیاں خدا نے اُس کی جھولی میں ڈال دی

ہوں۔

رخسانہ اور اقصیٰ بھی بھرپور خوشی کا اظہار کر رہی تھیں۔ ارسل کسی کام کے سلسلے میں کہیں گیا ہوا تھا۔

روحیل کا چہرہ اور اُس کی نم دار آنکھیں اِس بات کی عکاس تھیں کہ وہ انتہائی حساس طبیعت کا لڑکا ہے لیکن ممتا سے بھرپور جذبوں کے جواب میں اُس کے چہرے پر ایسا کوئی تاثر نہ اُبھرا جس سے زرقا کے دل کو کوئی ڈھارس مل سکے۔

وہ سب کی طرف انجان نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے اتنی محبتیں اُسے زندگی میں پہلی بار ملی ہوں۔ یہ سب کچھ دیکھ کر وہ جامد سا ہو گیا تھا۔

زرقا نے اپنی بھیگی ہوئی سرخ نگاہوں سے روحیل کی طرف دیکھا۔ ''میں تیری ماں ہوں بیٹا۔ اپنی زبان سے ایک بار مجھے ماں بھی نہیں کہے گا۔ تو وارث ہے اِس گھر کا۔ تجھے کیا پتہ تیرے لئے تیری یہ ماں کتنا تڑپی ہے۔'' روحیل سے بات کرتے کمزوری سے زرقا کا سر چکرانے لگا۔

روحیل نے جب زرقا کی یہ حالت دیکھی تو اُس نے اپنے مضبوط بازوؤں سے زرقا کو سہارا دیتے ہوئے صوفے پر بٹھا دیا۔ اُس وقت روحیل کو ایک دھچکا سا لگا۔ محبت کی اِس شدت نے اُسے جھنجھوڑ کے رکھ دیا۔

وہ سوچ کے کس حصار میں تھا' یہ کوئی نہیں جانتا تھا لیکن وہ زرقا کے جذبوں کی گہرائی تک پہنچ چکا تھا۔ وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ زرقا کی ممتا اُس کے لئے کتنی بے چین ہے۔

وہ صوفے پر زرقا کے قریب بیٹھ گیا اور اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہنے لگا۔ ''اب تو میں آ گیا ہوں نا۔ اب کیوں پریشان ہوتی ہیں ماں!''

روحیل نے بس اتنا ہی کہا تو زرقا کی آنکھوں میں خوشی کی ایک چمک سی آ گئی۔ اقصیٰ اور رخسانہ بھی اُن دونوں کے قریب آ کر بیٹھ گئیں۔

اقصیٰ روحیل کی ہر بات پر غور کر رہی تھی۔ وہ اِس چکر میں کہ روحیل کی کسی بات سے وہ اُس کی شخصیت کا اندازہ کر سکے لیکن روحیل نے اپنی کم گوئی میں جیسے بہت کچھ چھپا لیا تھا۔

اقصیٰ لوگوں کو study کرنے میں ماہر تھی لیکن روحیل کو وہ کسی بھی زاویے سے سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

☆ ——————— ☆ ——————— ☆

زرقا نے روحیل کو اُس کا کمرہ دکھایا۔ رات کے وقت کھانے کے لئے روحیل نے منع کر دیا۔ اگلے روز پوری حویلی میں گہما گہمی کا عالم تھا۔ ہر طرف چہل پہل مچی ہوئی تھی۔ زرقا نے اپنی نگرانی میں روحیل کے لئے رنگا رنگ کھانے بنوائے۔ پھر اُس سے اگلے روز اُس نے روحیل کی آمد کی خوشی میں ایک بہت بڑی پارٹی کا اہتمام کیا۔ جس میں اُس نے روحیل کو بڑے بڑے لوگوں سے متعارف کروایا۔

پارٹی کی رونقیں اپنے عروج پر تھیں۔ سب لوگ گپ شپ میں مصروف تھے۔ روحیل بہت دیر تک زرقا کے ہمراہ لوگوں سے ملتا رہا لیکن اُس کی مسکراہٹ میں ایک اکتاہٹ تھی۔ وہ شدید ذہنی تناؤ محسوس کر رہا تھا۔ اِس پارٹی میں ارسل بھی موجود تھا۔ وہ اقصیٰ سے کسی موضوع پر بات کر رہا تھا۔

روحیل کسی بہانے سے لوگوں کی بھیڑ میں سے نکل گیا اور اُسی ہال میں ایک طرف پڑی ہوئی الگ تھلگ کرسی پر بیٹھ گیا۔

ارسل سے بات کرتے کرتے اقصیٰ کا دھیان روحیل پر پڑا تو اُس نے اپنی بات ادھوری چھوڑتے ہوئے ارسل سے کہا۔ ''ارسل' آؤ روحیل کے پاس چلتے ہیں۔ وہ اِس ماحول میں اجنبیت محسوس کر رہا ہے۔ ابھی یہ سب کچھ اُس کے لئے بالکل نیا ہے۔ ہم اُسے کمپنی دیں گے تو وہ خود کو ایڈجسٹ کر لے گا۔''

اقصیٰ کی اِس بات پر ارسل نے اکتائی ہوئی شکل بنائی۔

"He is so boaring میں تو نہیں دے سکتا اُسے کمپنی۔ ہاں لگتا ہے کہ تمہیں کوئی نیا موضوع مل گیا ہے۔ تم ہی کرو اُسے study۔"

"ارسل! لوگوں کے لئے تمہارا رویہ بہت غلط ہے۔ دوسروں کے درد کو بانٹنا سیکھو۔ اپنے لئے تو ہر ایک جیتا ہے اپنی زندگی کا کوئی ایک حصہ دوسروں کے لئے وقف ہونا چاہئے۔" اقصیٰ نے بہت دھیمی سے انداز میں اُسے سمجھایا۔

"Please, Get rid of me!" یہ کہہ کر ارسل ہنستا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

اقصیٰ روحیل کی طرف بڑھی۔ اُس نے ایک کرسی اٹھائی اور روحیل کی کرسی کے قریب رکھ لی۔ اقصیٰ کرسی پر بیٹھ بھی گئی لیکن روحیل اپنی کسی سوچ میں اتنا گم تھا کہ اُسے اندازہ تک نہ ہوا کہ کوئی اُس کے قریب بیٹھا بھی ہے۔

"روحیل! کیا سوچ رہے ہو؟" اقصیٰ نے روحیل کو بلایا تو روحیل نے اپنے خیال سے چونکتے ہوئے کہا۔

"آ.......... آ.......... آپ آپ کب آئیں؟"

"ابھی آئی ہوں۔ آپ اِس طرح اکیلے کیوں بیٹھے ہیں۔ ارسل اور میں یہیں تھے۔ آپ ہمارے ساتھ بیٹھ جاتے۔"

"میں کسی کو بھی صحیح طور پر کمپنی نہیں دے سکتا۔ میرے ساتھ بیٹھ کر آپ لوگ انتہائی بوریت محسوس کرتے۔"

"آپ نے تو بالکل غیروں جیسی بات کہہ دی۔ ہم لوگ آپس میں رشتہ دار ہیں اور خونی رشتے تو اُن جذبوں کے سہارے ہوتے ہیں جو کسی بناوٹ کے محتاج نہیں ہوتے۔ ضرورت تو صرف اِس امر کی ہے کہ آپ خود کو یہ سمجھا لیں کہ ہم سب آپ کے اپنے ہیں۔"

اقصیٰ کی ان باتوں میں روحیل کھو سا گیا۔ پھر اُس نے مسکراتے ہوئے اقصیٰ کی طرف دیکھا۔ "آپ بہت پیاری باتیں کرتی ہیں۔"

scanned by iqbalmt@oneurdu.com

"شکر ہے، آپ مسکرائے تو۔ ورنہ سب لوگ تو یہی سمجھ رہے تھے کہ شاید آپ کو مسکرانا آتا ہی نہیں۔" اقصیٰ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

روحیل کے چہرے پر ایک بار پھر انتہائی سنجیدگی چھا گئی۔ "وقت کے ساتھ ساتھ آپ میری باتوں پر حیران ہوں گی۔ تقریباً ہر انسان اپنے بارے میں کچھ نہ کچھ جانتا ہے لیکن میں واحد انسان ہوں جو خود کو کبھی نہیں جان سکا۔"

روحیل کی اِس بات کو اقصیٰ کے ذہن نے بہت گہرائی سے لیا۔ وہ کچھ دیر کے لئے خاموش سی ہو گئی اور نگاہیں جھکا کر سوچنے لگی۔ اُس کی اِس تھوڑی دیر کی سوچ میں ہی روحیل وہاں سے چلا گیا۔

اِس پارٹی کا اہتمام ایک بہت بڑے ہوٹل میں کیا گیا تھا۔ رات کے نو بجے ہوئے تھے اور ابھی دور تک پارٹی کے اختتام کا کوئی پروگرام نظر نہیں آ رہا تھا۔

☆==========☆==========☆

روحیل ہوٹل سے باہر نکلا۔ اُس نے اپنی کار اسٹارٹ کی اور وہاں سے چل دیا۔

اپنی کوٹھی پہنچا تو ملازم نے گیٹ کھول دیا۔ روحیل نے کار اندر داخل کی اور اُسے لاک کر کے کوٹھی کے اندر داخل ہو گیا اور سیڑھیاں چڑھتا ہوا اپنے کمرے میں داخل ہوا۔

اُدھر پارٹی اپنے عروج پر تھی۔ روحیل کے اِس طرح اچانک چلے جانے پر سب لوگ سوال کر رہے تھے۔

زرقا نے ارسل اور اقصیٰ سے پوچھا۔ "روحیل کہاں گیا ہے؟"

"آنٹی! آپ ایسا کریں۔ گھر فون کر کے معلوم کریں۔ ہو سکتا ہے وہ گھر ہی گیا ہو۔" اقصیٰ نے کہا۔

زرقا نے گھر فون کیا تو ملازم نے اُسے بتایا کہ ابھی پانچ منٹ پہلے روحیل

صاحب گھر تشریف لائے ہیں۔

ملازم کی یہ بات سن کر زرقا ارسل سے مخاطب ہوئی۔ "ارسل! جاؤ روحیل کو سمجھا کر لے آؤ۔ وہ گھر میں خود کو بہت تنہا محسوس کر رہا ہو گا۔"

"............ اچھا۔" ارسل نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔" اقصیٰ ارسل کی طرف بڑھی۔

اور وہ دونوں وہاں سے چل دیئے۔ وہ دونوں گھر پہنچے تو ارسل نے گاڑی گیٹ کے قریب ہی کھڑی کر دی۔ وہ دونوں گاڑی سے باہر آئے تو ارسل نے گاڑی لاک کر دی۔

اقصیٰ نے گیٹ کی طرف بڑھتے ہوئے اوپر کی طرف دیکھا تو اُس کے قدم اپنی جگہ پر منجمد ہو گئے۔ وہ اوپر کی طرف دیکھتی ہی رہ گئی۔

اُس کی نگاہوں کے سامنے ایک انتہائی خوبصورت شاہین نہایت شاہانہ انداز سے اپنے بھاری بھرکم پروں کے تیز بلیڈوں سے ہوا کو چیرتا ہوا روحیل کے کمرے کی کھڑکی کی طرف بڑھا جو کھلی ہوئی تھی۔

اقصیٰ بے ساختہ اچھلی۔ "وہ دیکھو ارسل!"

"کیا ہے؟" ارسل نے پلٹ کر اُس کی طرف دیکھا۔

"اوہ! وہ تو اندر چلا گیا۔" اقصیٰ نے اپنے ہاتھ کو جھٹکتے ہوئے افسوس ناک شکل بنائی۔ "ارسل! ابھی ابھی ایک انتہائی خوبصورت شاہین روحیل کے کمرے کی کھڑکی میں داخل ہوا ہے۔"

"اگر وہ واقعی شاہین ہے تو دیکھنا میں اُسے کیسے قابو کرتا ہوں۔" ارسل اور اقصیٰ اِس چیلنج میں تیزی سے کوٹھی میں داخل ہوئے اور برقی سرعت سے روحیل کے کمرے کی طرف بڑھے۔

اُن دونوں کے قدموں کی جنبش تیز تھی۔ اِس لئے وہ دروازہ کھٹکھٹائے بغیر

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

روحیل کے کمرے میں داخل ہو گئے لیکن اندر داخل ہوتے ہی وہ ٹھٹک کے رہ گئے۔ پورے کمرے میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا اور کمرے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ شاہین کا بھی نام و نشان تک نہ تھا۔

اقصیٰ اور ارسل سیڑھیاں اتر کر نچلے پورشن میں آ گئے اور ملازمین سے روحیل کے بارے میں پوچھا۔

ہر ایک نے یہی کہا کہ روحیل صاحب ہماری آنکھوں کے سامنے اپنے کمرے میں داخل ہوئے ہیں۔

لیکن جب انہوں نے گیٹ کیپر سے پوچھا تو اُس نے معذرت کی اور گڑگڑاتے ہوئے کہا۔ "جناب میری تھوڑی دیر کے لئے آنکھ لگ گئی تھی۔ ہو سکتا ہے روحیل صاحب کہیں باہر گئے ہوں۔"

"لیکن اُس کی گاڑی تو یہاں کھڑی ہے۔" ارسل نے غصے سے کہا۔

"کیا پتہ جناب وہ پیدل گئے ہوں۔"

"اچھا اچھا! اپنی آنکھیں کھول کر رکھا کرو۔" ارسل نے سرد مہری سے چوکیدار کو ڈانٹا اور پھر اقصیٰ کی طرف متوجہ ہوا۔ "بھئی وہ کوئی بچہ تو نہیں ہے۔ چہل قدمی کو دل چاہ رہا ہو گا۔ چلا گیا ہو گا جب دل چاہے گا واپس آ جائے گا۔ چلو واپس چلتے ہیں۔ میں نے میوزیکل پروگرام ارینج کیا ہے۔ اب تک تو شارٹ بھی ہو چکا ہو گا۔" ارسل نے اپنی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایک تو مجھے اِس لڑکے کی سمجھ نہیں آتی۔ ہم نے اُس کے لیے پارٹی ارینج کی ہے اور وہ موصوف نہ جانے کہاں غائب ہیں۔" اقصیٰ نے غصے سے ارد گرد دیکھا۔

پھر وہ دونوں وہاں سے چل دیئے۔

جب وہ دونوں ہوٹل پہنچے تو پوری پارٹی میں میوزک کا ایک شور برپا تھا۔

وہ دونوں اندر داخل ہوئے تو زرقا بے چینی سے اُن کی راہ دیکھ رہی تھی۔

اُن دونوں پر زرقا کی نظر پڑی تو وہ تیزی سے اُن کی طرف بڑھی۔ "روحیل آگیا ہے؟"

اقصیٰ نے انہیں ساری بات بتا کے تسلی دی۔ "آپ تو جانتی ہیں کہ وہ کتنا تنہائی پسند ہے۔ کسی پُرسکون جگہ پر بیٹھا ہوگا۔ آپ وہم نہ کریں۔ اِن لوگوں سے فارغ ہولیں پھر گھر چلتے ہیں۔"

"آنٹی! روحیل کی ایک بات سے مجھے اندازہ ہوا ہے کہ وہ کسی ذہنی الجھاؤ کا شکار ہے۔ مجھے جب بھی موقع ملا۔ میں اُس سے تفصیل سے بات کروں گی۔" اقصیٰ نے انتہائی ملائم لہجے میں کہا۔

"بیٹی تم نے تو اِس موضوع پر بڑی بڑی کتابیں پڑھی ہیں۔ میرے بیٹے کا کوئی نفسیاتی علاج کرو، کہ وہ زندگی کو عام لوگوں کی طرح جینے لگے۔" زرقا نے بہت امید سے اقصیٰ کی طرف دیکھا۔

"آنٹی! میں پوری کوشش کروں گی۔ آپ بے فکر رہیں۔" اقصیٰ نے زرقا کو دلاسہ دیا۔

☆========☆========☆

کوئی ایک گھنٹے کے بعد پارٹی سے فارغ ہوکر وہ لوگ گھر گئے۔ انہیں پوری امید تھی کہ روحیل گھر آگیا ہوگا لیکن جب وہ گھر پہنچے تو یہ دیکھ کر زرقا سخت پریشان ہوگئی کہ روحیل گھر موجود نہیں تھا۔

اِس صورت حال سے باقی گھر والے بھی سخت پریشان ہوئے۔ کیونکہ روحیل کا رویہ ایسا تھا کہ جیسے وہ اِس شہر سے بالکل ناواقف ہے۔

"آنٹی آپ پریشان نہ ہوں۔ میں اُسے ڈھونڈ کر لاتا ہوں۔" ارسل نے زرقا کو حوصلہ دیا اور اپنی گاڑی نکال کر اُسے ڈھونڈنے نکل پڑا۔

ارسل نے پورا شہر چھان مارا لیکن روحیل کا کہیں کوئی پتہ نہ چلا۔ پورے دو

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

گھنٹے کے بعد ارسل پریشانی کے عالم میں گھر لوٹا تو اسے اکیلا دیکھ کر زرقا کی جان مٹھی میں آگئی۔

"کہاں گیا میرا روحیل! اُس کی چُپ تو ہروقت میرا سینہ چیرتی تھی۔ پتہ نہیں کہاں چلا گیا میرا لال۔ اپنی بوڑھی ماں کا خیال نہیں ہے اُسے۔"

زرقا اپنا سر پکڑ کے رونے لگی۔ اقصیٰ اور رخسانہ اُس کے قریب بیٹھ گئیں۔

"آنٹی! آپ خدا پر بھروسہ رکھیں۔ انشاء اللہ وہ ضرور آجائے گا۔" اقصیٰ نے زرقا کو تسلی دی۔

"ارسل ذرا ایس پی صاحب کا نمبر ملاؤ۔" زرقا نے اپنے آنسو صاف کیے۔

ارسل نے نمبر ملا کے موبائل زرقا کو پکڑا دیا۔

زرقا نے ایس پی سے سرسری سی بات کی تو ایس پی نے پورے شہر کی ناکابندی کروا دی اور زرقا کو سمجھایا کہ جونہی روحیل کا کوئی پتہ چلے گا اُسے فوراً اطلاع دے دی جائے گی۔ فی الحال وہ کسی قسم کا کوئی فکر نہ کرے۔

پوری کوٹھی میں انتہائی پریشانی کا عالم تھا۔ گھر کا ہر فرد پریشان تھا۔ زرقا کے آنسو تو ایک پل بھی نہیں رُک رہے تھے لیکن پولیس کو فون کرنے کے بعد اُس کے دل کو ایک ڈھارس سی ملی۔

لیکن یہ ڈھارس بھی ٹوٹنے لگی جب تھانے سے کئی گھنٹوں بعد بھی کوئی اچھی اطلاع نہ ملی۔

اِسی تشنگی کی کیفیت میں فجر کی اذان ہوگئی۔ زرقا پریشانی سے بالکل نڈھال ہوگئی تھی۔

وہ ڈھیلے سے انداز میں اپنی جگہ سے اٹھی اور نماز کے لیے وضو کیا۔

وضو کرنے کے بعد وہ دو تین قدم چلی تھی کہ ایکدم سے وہ لرز کے رہ گئی۔ ایک خوفناک کپکپاہٹ کے ساتھ اُس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ اُسے یوں محسوس

ہوا جیسے بڑے بڑے بالوں والا کوئی بڑا سا جانور اُس سے لگ کر گزرا ہے لیکن خوف کی یہ چند سیکنڈوں کی جھلک زرقا کو ایک واہمہ سا لگی۔ اُس کا دِل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ وہ بے اختیار روحیل کے کمرے کی طرف بڑھی۔ اُسے بار بار یہ گمان ہو رہا تھا کہ بالوں والی اُس چیز کا رخ روحیل کے کمرے کی طرف تھا۔

روحیل کے کمرے تک جاتی ہوئی سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے اُس کا دِل دھڑک رہا تھا جیسے وہ کسی کا تعاقب کر رہی ہو۔ اُسی کیفیت میں وہ روحیل کے کمرے تک پہنچی۔ اُس نے سہمے سہمے انداز سے دروازے کو جھٹکا دیا تو دروازہ کھٹاک سے کھل گیا۔ وہ دبے دبے قدموں سے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ یک لخت سُن ہو کر رہ گئی۔ روحیل اپنے بیڈ پہ الٹا لیٹا ہوا تھا۔ اُس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کے پچھلے حصے کو مضبوطی سے گرفت میں لیا ہوا تھا۔ جیسے وہ شدید سردرد کا شکار ہو۔ زرقا تھوڑی دیر کے لیے ایسی بدحواس ہوئی کہ خوشی یا غم کا اُسے کوئی احساس نہ ہوا۔ وہ چونک کر بولی "روحیل! تم یہاں؟"

روحیل پھرتی سے اٹھ بیٹھا۔ گویا کہ وہ جاگ رہا تھا۔ وہ کوئی جواب دیئے بغیر بستر سے اترا اور خاموشی سے کھڑا ہو گیا۔ اُس کے چہرے پر انتہائی گھبراہٹ تھی۔ اتفاق سے گھر کے سب لوگ زرقا کے پیچھے اُس کمرے میں آ گئے۔ جب انہوں نے یہ منظر دیکھا تو وہ حیرت سے چونک اٹھے۔

"یار' میں نے تو تمہارے لیے شہر کا چپہ چپہ چھان مارا۔ تم یہاں کیسے؟" ارسل کی آواز میں غصہ بھی تھا اور حیرت بھی۔

سب لوگوں کی سوالیہ نگاہیں دیکھ کر روحیل مزید نروس ہو گیا۔

اُس کے چہرے پر ندامت کے ساتھ ساتھ ایسے تاثرات بھی عیاں تھے کہ جیسے اُس کے پاس کسی سوال کا جواب نہیں ہے۔

وہ کافی دیر اپنے سر کو اِدھر اُدھر جنبش دیتا رہا۔ پھر اپنی کن پٹی پر اپنی انگلیوں کو

گردش دیتے ہوئے دھیمے سے انداز میں بولا۔ "میرا خود پر بس نہیں ہے مجھے نیند میں چلنے کی عادت ہے۔ میں یہاں سے کب گیا اور کب کسی کے لان میں جا کر سو گیا۔ مجھے کچھ علم نہیں۔ البتہ جب میری آنکھ کھلی تو بہت ٹائم ہو چکا تھا۔ میں فوراً گھر کی طرف لوٹا اور گھر کی دیوار پھلانگ کر اپنے کمرے تک پہنچ گیا۔ تاکہ آپ لوگوں کو اِس بات کا علم نہ ہو۔"

روحیل کی یہ بات سن کر اقصیٰ اُس کی طرف بڑھی۔

"روحیل! جانتے ہو۔ سب تمہاری وجہ سے کتنا پریشان ہوئے ہیں۔ اندازہ کرو کہ سب تم سے کتنا پیار کرتے ہیں۔ اگر تم آنٹی کی آنکھوں کی سرخی کا مطلب جان لو' اِن کے جذبوں کی گہرائی جان لو تو تمہیں معلوم ہو کہ خونی رشتے کیا ہوتے ہیں۔"

اقصیٰ کی بات سنتے سنتے روحیل کی آنکھیں بھیگ گئیں اُس نے جذبات کی شدت میں اپنی بھنویں سکیڑیں تو اُس کی آنکھوں سے آنسو چھلک کر اُس کا چہرہ بھگو گئے۔

وہ بار بار اپنے ہونٹوں کو اِس طرح بھینچتا' جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہے لیکن کہہ نہیں پاتا۔

لیکن جب اُس نے زرقا کی طرف دیکھا تو سچے جذبوں کی اِن گہرائیوں کے آگے وہ چپ نہ رہ سکا۔ وہ ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے زرقا کی طرف بڑھا۔

اُس نے زرقا کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

"ماں! میں اتنے پیار کے قابل نہیں ہوں۔ کسی سے اتنا پیار نہیں کرنا چاہیے کہ اُسے کھونے پر انسان جی نہ سکے۔ میں مکمل نہیں ہوں۔ میری ذات کا کوئی حصہ کہیں کھو چکا ہے۔ آپ میرے لیے پریشان نہ ہوا کریں۔ میں جیسا بھی ہوں۔ آپ کا بیٹا ہوں۔ اگر آپ کو اپنے بیٹے کی خوشی کا ذرا سا بھی خیال ہے تو خوش رہا کریں۔"

زرقا نے روحیل کی یہ باتیں سنی تو اُس نے آگے بڑھ کر اُسے اپنے سینے سے

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

لگالیا۔ "خدا میرے بیٹے کو لمبی عمر دے۔"

روحیل زرقا کی اِس دعا پر پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بستر پر بیٹھ گیا۔

☆=========☆=========☆

اقصیٰ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "چلو اب سب اپنا موڈ فریش کرلو۔ میں سب کے لیے گرما گرم چائے بنا کر لاتی ہوں۔ آنٹی آپ نماز پڑھ لیں۔ میں اتنے میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

فجر کا وقت تھا۔ تقریباً اندھیرا ہی تھا۔ صبح کی روشنی ابھی نمودار نہیں ہوئی تھی۔ سب لوگ روحیل کے کمرے میں جمع تھے۔ پورے گھر میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔

اقصیٰ سیڑھیوں سے اتر کر کچن کی طرف بڑھی۔ کچن میں داخل ہو کر اقصیٰ نے کیتلی میں چائے رکھی اور چائے تیار ہونے پر اُس نے بہت شوق سے وہ چائے چینک میں ڈالی اور ایک ٹرے میں کپ پرچ رکھ کر اُس نے چینک اٹھائی۔ ٹرے میں رکھنے سے پہلے اُس نے کلر چیک کرنے کے لیے ویسے ہی چینک کے ڈھکن اٹھا دیا۔

چینک کے ڈھکن کا اٹھانا تھا کہ اقصیٰ کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی سانس نیچے رہ گئی۔ چائے کے بجائے چینک خون سے لبالب بھری تھی۔ خوف سے اقصیٰ کے ہاتھ کانپنے لگے۔ اُس کے ہاتھ سے چینک چھوٹ گئی اور فرش سے ٹکرا کے چکنا چُور ہو گئی۔ اقصیٰ نے گھبراہٹ سے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپالیا۔

چند ہی ساعتوں میں اُس نے اپنے چہرے سے ہاتھ اٹھائے تو پورے فرش پر چائے گری ہوئی تھی۔

اقصیٰ نے حیرت میں ڈوبی ہوئی آنکھوں سے فرش کی طرف دیکھا۔ اُس نے کچھ دیر سوچا اور پھر خود کلامی کے انداز میں اپنے ذہن کو جھٹکا۔ "ہو سکتا ہے۔ یہ سب میری نظر کا دھوکہ ہو۔ شاید ذہنی تناؤ میں مجھے ایسا وہم ہوا ہے۔ چینک میں چائے ہی تھی۔" اُس نے خود کو سمجھایا اور نئی چائے بنانے لگی۔

☆=========☆=========☆

دو تین روز کے بعد زرقا اپنے کمرے میں فجر کی نماز ادا کر رہی تھی۔ اُس نے نماز ادا کی تو دعا کے بعد اُس کا دِل چاہا کہ وہ روحیل کو ایک نظر دیکھ لے۔

اُس نے جائے نماز کی تہہ لگائی اور روحیل کے کمرے کی طرف بڑھی۔ سیڑھیاں چڑھنے کے بعد وہ روحیل کے کمرے میں داخل ہوئی۔ روحیل اُسی مضطرب سی کیفیت میں الٹا لیٹا ہوا تھا۔ اُس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے سر کے پچھلے حصے کو جکڑا ہوا تھا۔

زرقا اُس کے قریب آئی اور شفقت بھرے انداز میں اُس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگی۔ روحیل نے ممتا کی اِس مروّت کو محسوس کیا تو وہ سیدھا لیٹ گیا اور اپنے چہرے کی بے چینی کو مسکراہٹ میں چھپائے زرقا کی طرف دیکھنے لگا۔

"میرے بیٹے! تُو اتنا بے چین کیوں رہتا ہے۔ رات بھر کیا سوتا نہیں ہے۔ اوروں کی طرح خوش کیوں نہیں رہتا؟"

"کیونکہ میں اوروں میں سے نہیں ہوں۔" روحیل نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"کیا مطلب بیٹے؟" زرقا نے تعجب سے پوچھا۔

"کوئی مطلب نہیں ماں! ویسے ہی کہہ دیا۔ آپ کی قُربت میں مَیں خود کو کتنا پُرسکون محسوس کرتا ہوں۔ اِس کا آپ اندازہ نہیں کر سکتیں۔ جب سے میں آپ لوگوں میں آیا ہوں میرے اندر انجانی سی خوشیوں نے جنم لیا ہے جو پہلے میں نے کبھی محسوس نہیں کیں۔"

"بیٹا! گھر میں کس کس سے تمہاری انڈرسٹینڈنگ ہو گئی ہے۔" زرقا نے روحیل کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"اقصیٰ اپنی باتوں سے ہی انسان کے دِل کی وہ تمام کھڑکیاں کھول دیتی ہے جن

سے چھنتی ہوئی زندہ دلی کی روشنی پورے دِل کو منور کردیتی ہے لیکن میں اندھیروں کا عادی اِس روشنی کا کیا کروں گا۔ بعض اوقات دِل چاہتا ہے کہ اُس کی باتیں سنتا رہوں اور اپنے اندر کے انسان کو پہچانوں لیکن پھر بعض اوقات اقصیٰ سے چھپنے کو دِل چاہتا ہے۔"

"روحیل یہ چھپنے والی بات تم نے کیا کی۔" زرقا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ویسے ہی مذاق میں کہہ دی۔" روحیل نے بات ٹالی۔

زرقا نے روحیل کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ "تم نے کبھی اپنی ماں کے بارے میں نہیں بتایا۔"

زرقا کے اِس سوال پر روحیل کے چہرے کا تاثر یکسر بدل گیا۔ اُس کے چہرے پر انتہائی سنجیدگی چھاگئی۔ جیسے زرقا کے اِس سوال نے اُس کے اندر کوئی بھونچال سا مچادیا ہو۔ اُس نے اپنے اندر کے اِس شور کو اپنی خاموشی میں چھپالیا۔ چُپ چاپ اپنے بیڈ کی پشت سے سہارا لے کر بیٹھ گیا۔

"بیٹا کیا ہوا۔ اِس طرح سے خاموش کیوں ہوگئے ہو؟" زرقا نے روحیل کے قریب سرکتے ہوئے کہا۔ کافی دیر خاموشی کے بعد روحیل نے زرقا کی آنکھوں میں جھانکا۔

"اگر آپ مجھ سے واقعی پیار کرتی ہیں تو آج کے بعد دو سوال مجھ سے نہ پوچھنا۔ ایک میری ماں کے بارے میں دوسرا یہ کہ اگر رات کے کسی پہر میں آپ کو کمرے میں نہ ملوں تو نہ پوچھنا کہ میں کہاں گیا تھا۔ بعض اوقات مجھے رات کو گھٹن محسوس ہوتی ہے۔ چہل قدمی کے لیے باہر چلا جاتا ہوں۔ اِس طرح مجھے سکون ملتا ہے۔ آپ پریشان نہ ہوا کریں۔"

"بس خدا تمہیں ہرجگہ اپنی امان میں رکھے۔ پھر بھی اتنا ضرور کہوں گی کہ تم خود کو بدلنے کی کوشش کرو۔ میں چلتی ہوں۔ تم آرام کرو۔" زرقا نے شفقت بھرے

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

انداز میں روحیل کے سر پر ہاتھ پھیرا اور وہاں سے چل دی۔

روحیل کھوئے کھوئے سے انداز میں زرقا کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

دو تین گھنٹوں کے بعد ناشتے کا وقت ہوگیا۔ ملازمین نے تمام ناشتہ تیار کرکے میز پر پہنچادیا۔ کچھ دیر کے بعد سب لوگ بھی میز کے گرد بیٹھ گئے۔

ارسل اور اقصیٰ ہمیشہ اکٹھے ہی بیٹھتے تھے۔ رخسانہ آگے بڑھ کر ناشتہ سرو کررہی تھی۔ ارسل اور اقصیٰ بہت رغبت سے ناشتہ کررہے تھے۔ خوب مزے لے رہے تھے لیکن روحیل ایک پلیٹ میں ایک سلائس لیے بیٹھا تھا اور اُسے تھوڑا سا مکھن لگائے آہستہ آہستہ بے دلی سے کھا رہا تھا۔

ارسل پہلے شرارت سے ترچھی آنکھ سے روحیل کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر بے ساختہ اُس کی ہنسی چھوٹ گئی "روحیل صاحب! لگتا ہے آپ ابھی تک بڑے نہیں ہوئے۔ یا پھر اپنی پہلی امی یاد آرہی ہیں کہ وہ بچپن میں آپ کو کھانا کیسے کھلاتی تھیں۔"

ارسل کی اِس بات پر سب کھلکھلا کے ہنس پڑے لیکن روحیل کے تاثرات دیکھ کر سب حیران رہ گئے۔ اُس کا چہرہ غصے سے تپ رہا تھا۔ وہ سرجھکائے خاموشی سے بیٹھا ہوا تھا لیکن اُس کے چہرے سے صاف عیاں تھا کہ وہ شاید غصہ ضبط کر رہا ہے۔ اُس کے ہاتھوں کی جنبش میں شدید بے چینی تھی۔ آخر اُس نے ایک چینی کی پلیٹ لی اور اُسے اپنے دائیں ہاتھ کی گرفت میں لے لیا اور شدید بے چینی میں اپنے ہاتھ کو ملا تو ارسل کی آنکھیں حیرت سے ابل پڑیں۔ روحیل کے ہاتھ کے ہلکے سے جھٹکے سے ہی چینی کی وہ پلیٹ چکنا چور ہوکے ایک پاؤڈر کی شکل اختیار کرگئی اور روحیل نے بہت خفیف سے انداز میں ہاتھ کو جھاڑ لیا۔

ارسل اپنی جگہ سے اُچھلا۔ "واہ یار! تم میں تو بڑی طاقت ہے۔ چلو ایک چھوٹے سے مذاق سے تمہاری طاقت کا اندازہ تو ہوا۔ بھئی نہیں کرتے آئندہ تم سے

کوئی مذاق۔"

اقصیٰ نے روحیل کے سنجیدہ چہرے کی طرف دیکھا اور پھر ہنستے ہوئے زرقا سے مخاطب ہوئی۔ "آنٹی میں نے ایک زبردست پروگرام بنایا ہے۔ کل ہم ڈھیر سارا کھانے کا سامان تیار کر کے کہیں پکنک پر جائیں گے۔" اقصیٰ کی بات سنتے ہی ارسل خوشی سے چلایا۔

"جیو اقصیٰ! تم نے تو میرے دل کی بات کہہ دی۔ بھلا تمہاری بات آنٹی کیسے ٹال سکتی ہیں۔" ارسل کی اِس بات پر زرقا مسکرا دی۔

"بھلا مجھے کیا اعتراض ہو گا۔ تم لوگ تیاری کرو۔ ہم سب جائیں گے۔"

"بہت مزہ آئے گا آنٹی۔ میں سارے کھانے اپنے ہاتھ سے بناؤں گی.........."

"کیوں جی! ہمیں کس بات کی سزا مل رہی ہے جو ہم تمہارے ہاتھ کا کھانا کھائیں گے۔" ارسل نے فوراً اقصیٰ کی بات کاٹی۔

اُن کی اِن باتوں پر روحیل کے لبوں پر بھی مسکراہٹ بکھر گئی۔ اقصیٰ نے حیرت کے انداز میں روحیل کی طرف دیکھا اور پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "شکر ہے۔ شکر ہے تم ہمارے ساتھ ہنسے تو۔"

"بس! تم لوگ یونہی ہنستے کھیلتے رہو۔" زرقا نے اُن سب کو دعا دی۔

☆=========☆=========☆

اگلے دن دوپہر تین بجے کے قریب سب پکنک پر جانے کی تیاری کرنے لگے۔ اقصیٰ کچن میں رنگا رنگ کھانے تیار کر رہی تھی۔ حالانکہ پکنک کا ایک عام سا پروگرام تھا لیکن پوری کوٹھی میں ایک شور سا برپا تھا۔ اِس شور میں سے سے زیادہ آواز ارسل کی تھی جو پہلے اپنا سامان پورا کرنے کے درپے تھا۔

روحیل خود میں تبدیلی لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح اپنے کمرے میں بند ہونے کے بجائے اِس روز سب کے بیچ بیٹھا تھا۔

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

زرقا ہینگروں میں تین جوڑے لٹکائے روحیل کی طرف بڑھی۔ "یہ لو بیٹا! یہ میں نے تمہارے لیے نئے جوڑے بنوائے ہیں۔ اِن میں سے جو تمہیں زیادہ پسند ہو وہ آج پہن لو۔"

"یہ تو تینوں ہی بہت خوبصورت ہیں۔" روحیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آج تو میرا بیٹا بہت فریش لگ رہا ہے۔"

"کوشش کروں گا۔ آپ لوگوں کی طرح خوش رہنے کی۔" روحیل نے زرقا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"اچھا چلو تم نہا دھو کر کپڑے بدل لو۔ چار یا ساڑھے چار بجے تک ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔ جب میں تمہیں مسکراتا ہوا دیکھتی ہوں تو مجھے لگتا ہے کہ خدا نے بہت سی خوشیاں میری جھولی میں ڈال دی ہیں۔" زرقا نے نہایت پُرخلوص لہجے میں کہا اور رخسانہ کے کمرے کی طرف چل دی۔

روحیل نے وہ تین جوڑے دیکھے تو اُس سے کوئی فیصلہ نہ ہوا کہ وہ کون سا سوٹ پہنے۔ روحیل نے کچھ سوچتے ہوئے ارد گرد دیکھا۔ اُس کی نظریں اقصیٰ کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ اُس نے سارے کمرں میں دیکھا لیکن اقصیٰ کہیں موجود نہیں تھی۔ پھر اُس کے ذہن میں کچن کا خیال آیا تو وہ کچن کی طرف بڑھا۔ وہ کچن میں داخل ہوا تو اقصیٰ ایپرن باندھے گھبرائی ہوئی حالت میں اِس طرح کھانا پکا رہی تھی جیسے وہ شدید اذیت میں ہو۔ مرچ مصالحوں کی خوشبو سے اُسے چھینکیں آ رہی تھیں۔

کچن کے دروازے پر کھڑے ہو کر روحیل نے اُسے بلالیا۔

"اقصیٰ!"

لیکن اقصیٰ جیسے کسی مصیبت میں گرفتار تھی۔ اُسے کچھ سنائی نہیں دیا۔

روحیل نے ایک بار پھر اُسے بلایا۔

اقصیٰ نے اُس کی آواز سنی تو اُس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ "روحیل تم! یہاں

کیسے؟"

"وہ.......... اقصیٰ تم سے کچھ پوچھنا تھا۔" روحیل نے دھیمے دھیمے انداز میں کہا۔

"کیا پوچھنا ہے؟" اقصیٰ نے سوالیہ نظروں سے روحیل کی طرف دیکھا۔

"میرے ساتھ آؤ بتاتا ہوں۔"

"ٹھہرو! ہاتھ دھولوں۔" اقصیٰ نے اپنے مرچوں سے بھرے ہاتھوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تھوڑی دیر کی تو بات ہے ایسے ہی آجاؤ۔" روحیل نے تیزی سے کہا۔

"اچھا بھئی۔" یہ کہہ کر اقصیٰ روحیل کے ساتھ چل پڑی۔

روحیل نے ٹی وی لاؤنج کے صوفے پر اپنے سوٹ رکھے ہوئے تھے۔ اُس نے سوٹوں کے قریب کھڑے ہو کر کہا۔ "اقصیٰ یہ بتاؤ کہ میں اِن میں سے کون سا جوڑا پہنوں؟"

"بس اتنی سی بات تھی۔" اقصیٰ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر اُس نے مرچوں سے بھرے ہاتھ سے ایک سوٹ کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ پہن لو۔ یہ بہت اچھا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" روحیل نے اقصیٰ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اقصیٰ نے کچھ سوچتے ہوئے گہری نظر سے روحیل کی طرف دیکھا۔

"روحیل آج تم بالکل بدلے ہوئے ہو۔ آج تمہارے چہرے پر بیگانگی نہیں ہے۔ ایسے ہی خود کو فریش رکھا کرو۔ تم اِس گھر کے سربراہ ہو۔ گھر کے سب لوگ تم سے جتنا پیار کرتے ہیں۔ تم سے بھی ویسی ہی توقع رکھتے ہیں۔ وہ لوگ خوش قسمت ہوتے ہیں جنہیں لوگ اتنا چاہتے ہیں۔ پھر تم کیوں اتنے سنجیدہ ہوجاتے ہو"

"اقصیٰ! تم لوگوں کو جاننے میں کتنی ہی ماہر سہی لیکن مجھے جاننا تمہارے لیے صرف مشکل نہیں بلکہ ناممکن ہے۔"

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

"یہ تمہارا وہم ہے روحیل! کسی انسان کو جاننے کے لیے صدیاں درکار نہیں ہوتیں۔ انسان خود پر لاکھ خول چڑھالے لیکن اُس کی بہت سی چیزوں میں اُس کی شخصیت کا عکس جھانکتا ہے۔ انسان کے جذبات کے رنگ اُس کی آنکھوں میں چمکتے ہیں اور جناب چہرے بھی کھلی کتاب ہوتے ہیں۔" اقصیٰ نے انتہائی ملائمت سے کہا۔

"اقصیٰ! یہ چیزیں ہی تو زندگی کی خوبصورتی ہیں لیکن مجھے ایسا لگتا ہے۔ جیسے میری زندگی کا کوئی بدصورت پہلو اِس ساری خوبصورتی کو نگل لیتا ہے۔ مجھے ہر وقت یہ گمان رہتا ہے کہ میں نامکمل انسان ہوں۔ اقصیٰ! یقین جانو کہ جب سے میں تم لوگوں کے بیچ آیا ہوں' میں اپنی زندگی کو جینے لگا ہوں۔ ورنہ اِس سے پہلے میں ایک جانور کی طرح قید رہا ہوں۔"

روحیل اپنے اندر کے جس طوفان کو اپنی خاموشی میں چھپا کے رکھتا تھا۔ آج جذبات میں کچھ تلخ حقیقتیں اُس کی زبان سے پھسل رہی تھیں۔

"کس کی قید میں؟" اقصیٰ نے تعجب سے پوچھا۔

"اپنی ماں کی قید میں۔ اُس کے کڑوے پیار کی قید میں۔" روحیل نے کھوئے سے انداز میں کہا لیکن تھوڑی ہی دیر میں روحیل نے مسکرا کر بات بدل دی۔

ساڑھے چار بجے کے قریب وہ سب لوگ تیار ہوگئے اور پونے پانچ بجے وہاں سے چل پڑے۔

☆=========☆=========☆

پکنک کے لیے وہ لوگ جس جگہ پہنچے' وہاں ایک خوبصورت جھیل تھی۔ جس کے اطراف میں انتہائی خوبصورت پھولوں سے بھرے پودوں کے انبار تھے اور ساتھ ہی ایک وسیع حصہ اِسی طرح کے پودوں سے آراستہ تھا۔ اِس خوبصورت اور وسیع حصے کو کئی قسم کی سجاوٹوں سے بھی آراستہ کیا گیا تھا۔ اُن لوگوں نے اپنا سامان اُس وسیع حصے میں رکھا اور وہیں ایک بڑی چادر بھی بچھائی اور اُس چادر پر اپنا سارا سامان

رکھ لیا۔

رخسانہ اور زرقا اس چادر پر بیٹھ گئیں۔ ارسل، اقصیٰ اور روحیل تینوں اِس خوبصورت جگہ پر چہل قدمی کرنے لگے۔ چہل قدمی کرتے کرتے وہ دور تک نکل گئے۔ اقصیٰ اور ارسل کے ساتھ روحیل بھی قدرت کے خوبصورت نظاروں کو نظر گیر کر رہا تھا۔ اقصیٰ کی پوری کوشش تھی کہ روحیل کی توجہ اِس طرح کی چیزوں کی طرف زیادہ مرکوز ہو۔

وہ لوگ پھرتے پھرتے اُس خوبصورت وسیع رقبے کے آخری حصے تک پہنچ گئے۔

"چلو اقصیٰ واپس چلتے ہیں۔" ارسل نے اپنے بوٹ کی ایڑھی گھماتے ہوئے کہا۔

"چلتے ہیں۔" اقصیٰ ارسل کے ساتھ واپس مڑنے لگی تو روحیل اپنی جگہ پر ہی کھڑا رہا۔

خوبصورت رقبے کے اُس آخری حصے کے بعد ایک گھنا جنگل شروع ہوتا تھا۔ جو خاردار درختوں اور پودوں سے بھرا ہوا تھا۔

روحیل اُس جنگل کی طرف مسلسل دیکھ رہا تھا۔

"اُس جنگل کی طرف چلیں!" روحیل نے خفیف سے انداز میں کہا تو ارسل نے بُرا سامنہ بنالیا۔

"یار پاگل ہو گئے ہو۔ وہ جگہ ہے کوئی جانے کی۔"

"کوئی بات نہیں ارسل! روحیل کا دِل چاہ رہا ہے تو چلتے ہیں۔" اقصیٰ نے ارسل کو منایا۔

"نہیں بابا! میں تو ویسے بھی بہت تھک گیا ہوں۔ تم لوگوں نے جانا ہے تو جاؤ۔ میں یہاں بیٹھ کر تمہارا انتظار کرلیتا ہوں۔"

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

"جیسی تمہاری مرضی! ہم بس ابھی آئے۔ زیادہ آگے نہیں جائیں گے۔ تم ہمارا یہیں انتظار کرنا۔ بس پندرہ منٹ میں ہم واپس آجائیں گے۔ کیونکہ آنٹی زرقا اور امی ہمارا انتظار کر رہی ہوں گی۔" یہ کہہ کر اقصیٰ روحیل کے ساتھ وہاں سے چل دی۔

روحیل اور اقصیٰ اُس گھنے جنگل میں داخل ہو تو گئے لیکن خاردار جھاڑیوں نے اُن کا قدم اٹھانا محال کردیا۔ روحیل اُن خاردار جھاڑیوں میں ایسے چل رہا تھا جیسے پھولوں میں۔ اقصیٰ شدید الجھن کا شکار تھی لیکن روحیل کی خوشی کے لیے وہ انتہائی حوصلے سے چل رہی تھی۔

خاردار جھاڑیوں کو پیچھے کرتے کرتے وہ آگے نکلتے جارہے تھے۔ تھوڑا سامزید آگے جاکر وہ دونوں ایک گھنے درخت کے پاس رُک گئے۔

"تمہیں اِس طرح کے جنگل پسند ہیں؟" اقصیٰ نے روحیل سے پوچھا۔

"پسند تو نہیں ہیں۔ ویسے ہی دِل چاہ رہا تھا۔" روحیل نے درخت کی چھال پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں ابھی باتیں کر ہی رہے تھے کہ سامنے سے ایک گھنے درخت کے پیچھے سے ایکدم چار خوفناک جنگلی کتے نکل آئے۔

روحیل کا منہ دوسری طرف تھا۔ وہ کتے خاموشی سے اقصیٰ کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر بھی اقصیٰ نے ڈرتے ہوئے کہا۔ "روحیل! وہ کتے۔"

روحیل نے پلٹ کر کتوں کی طرف دیکھا لیکن جونہی کتوں نے روحیل کا چہرہ دیکھا۔ وہ انتہائی دہشت ناک انداز میں غرانے لگے۔ اُن کا غرانے کا انداز اتنا خوفناک تھا کہ جیسے وہ روحیل کو کچا چبا جائیں گے۔ اقصیٰ نے یہ دیکھا تو اُس نے روحیل کا ہاتھ پکڑا۔ "بھاگو روحیل یہاں سے۔"

لیکن روحیل جان گیا تھا کہ یہ کتے اُس پر ٹوٹنے والے ہیں۔ اُس نے جھٹکے سے

اقصیٰ کو ایک طرف دھکا دیا تو اُسی لمحے وہ چاروں کتے درندوں کی طرح روحیل پر جھپٹ پڑے۔

اقصیٰ تڑپ کر اٹھی۔ وہ گلا پھاڑ کر چلا رہی تھی لیکن وہاں اُس کی مدد کیلئے کوئی نہیں تھا۔ اور وہ کتے روحیل پر اِس طرح جھپٹ رہے تھے کہ جیسے وہ اُس کا گوشت نوچ لیں گے لیکن پھر ایک حیرت انگیز بات ہوئی۔ جونہی ان کتوں نے روحیل کے جسم پر دانت گاڑے تو وہ ایک خوفناک آواز کے ساتھ جھٹکے سے پیچھے ہٹے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ زمین پر گر کر ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگے اور پھر کچھ دیر کے بعد وہیں ڈھیر ہو گئے۔

یہ سب دیکھ کر اقصیٰ حیرت میں ایسی سُن ہوئی کہ اُسے اِس بات کا احساس تک نہ رہا کہ روحیل کے جسم سے خون بہہ رہا ہے لیکن کچھ دیر کے بعد اُس نے اِس خیال سے جھرجھری سی لی اور روحیل کی طرف بڑھی۔

لیکن یہ دیکھ کر اُس کی حیرت اور بڑھ گئی کہ روحیل کے جسم پر کہیں بھی خون تو کیا' کتوں کے کاٹنے کے نشان تک نہ تھے۔ وہ بالکل نارمل کھڑا تھا۔ جبکہ اُن مرے ہوئے کتوں کے منہ روحیل کے خون میں بھرے ہوئے تھے۔

اقصیٰ ایک بار تو چکرا سی گئی۔ کپکپاہٹ کی ایک لہر اُس کے پورے جسم میں دوڑ گئی۔ وہ آنکھیں پھاڑے لگاتار روحیل کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اُسے روحیل سے دہشت سی محسوس ہونے لگی۔ وہ الٹے قدموں پیچھے کی طرف چلنے لگی۔ روحیل نے جب اقصیٰ کی یہ کیفیت دیکھی تو وہ اُس کی طرف بڑھنے لگا۔

"اقصیٰ مجھ سے ڈرو مت۔ پلیز میری بات سنو۔"

روحیل کی بات پر اقصیٰ کے قدم رُک گئے۔

"اقصیٰ! میں خود میں ایسی کئی طاقتیں محسوس کرتا ہوں جن کا مجھے خود بھی گمان نہیں ہے۔" روحیل نے اقصیٰ کو سمجھانے کی کوشش کی۔

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

لیکن اقصیٰ کے ذہن کی پہنچ عام لڑکیوں سے کہیں زیادہ تھی۔ وہ کسی بھی پیچیدہ مسئلے کو بہت گہرائی میں سوچ سکتی تھی۔ اُس نے ذہنی طور پر فیصلہ کرلیا کہ وہ اِس بات کی وجہ ضرور معلوم کرے گی۔

اِس سوچ کے تحت اقصیٰ نے فوراً روحیل کو مطمئن کیا۔ "ہاں تمہاری اِس بات کو صرف میں ہی سمجھ سکتی ہوں۔ کسی اور سے اِس کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کچھ لوگ سپر نیچرل ہوتے ہیں۔ اُن میں کئی ایسی قوتیں ہوتی ہیں جو عام لوگوں میں نہیں ہوتیں۔ چلو' چلتے ہیں۔ ارسل انتظار کررہا ہوگا۔" اقصیٰ نے جان بُوجھ کر روحیل کی بات کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔

اقصیٰ اور روحیل ارسل کے پاس آئے اور اُسے ساتھ لے کر زرقا اور رخسانہ کے پاس چلے گئے۔

اقصیٰ اور ارسل نے پکنک کا ماحول انتہائی خوشگوار رکھا جبکہ روحیل انتہائی خاموش تھا۔

اقصیٰ کے ذہن میں بہت کشمکش تھی لیکن وہ خود کو انتہائی فریش ظاہر کررہی تھی۔

☆==========☆==========☆

تقریباً آٹھ بجے کے قریب وہ لوگ گھر واپس آگئے۔ اُن سب نے کھانا کھایا لیکن روحیل بغیر کچھ کھائے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ زرقا نے پریشان کُن لہجے میں کہا۔ "یہ لڑکا نہ جانے کب سدھرے گا۔"

"آنٹی آپ زیادہ پریشان نہ ہوا کریں۔ ہر انسان کا اپنا الگ مزاج ہوتا ہے۔ روحیل آہستہ آہستہ ٹھیک ہوجائے گا۔" اقصیٰ نے زرقا کو سمجھایا۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد وہ سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں سونے کے لیے چلے گئے کیونکہ پکنک کے باعث وہ بہت تھک چکے تھے۔

اقصیٰ بھی اپنے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ تھکی تو ہوئی تھی لیکن ایک الجھن نے اُس کے ذہن میں تناؤ پیدا کردیا تھا۔ نیند اُس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

اُس کا ذہن باربار اُس واقعے کے بارے میں سوچ رہا تھا جو آج اُس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

"روحیل کے خون میں ایسی کیا چیز تھی جو اُن کتوں کی موت کا سبب بن گئی۔"

وہ خود کلامی کے انداز میں خود سے سوال کررہی تھی۔

وہ بے چینی میں اپنے بیڈ پر ٹانگیں نیچے لٹکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ کسی زاویے سے بھی روحیل کو سمجھ نہیں پارہی تھی۔ روحیل کی ذات اُس کے لیے ایک سوال بن کر رہ گئی تھی۔

اِسی سوچ و بچار میں رات کے دس بج گئے۔ اقصیٰ کا ابھی دور تک سونے کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ کوٹھی کے سب لوگ گہری نیند سو رہے تھے۔ پوری کوٹھی میں ایک گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

اقصیٰ کو بالکل نیند نہیں آرہی تھی۔ اُس نے کُشن گود میں لیااور کارپٹ پر بیٹھ گئی۔ وہ اِس انداز سے بیٹھی ہوئی تھی کہ اُس کی پیٹھ اُس کمرے کی کھڑکی کی طرف تھی۔

وہ روحیل کے متعلق بہت گہرائی سے سوچ رہی تھی۔ اُس کا ذہن ان فقروں کو دہرا رہا تھا۔ جو روحیل نے اُس سے کہے تھے۔

"اِس سے پہلے میں جانور کی طرح قید رہا ہوں۔"

"کس کی قید میں؟"

"اپنی ماں کی۔"

اقصیٰ لفظوں کے جوڑ توڑ سے روحیل کی ذات کے کسی چھپے ہوئے پہلو کو

تلاش کررہی تھی کہ اچانک اُس نے جھرجھری سی لی۔ اُسے یوں محسوس ہوا جیسے اُس کے پیچھے کھڑکی کھٹاک سے کھلی ہے اور کوئی اُس کے کمرے میں کودا ہے۔ وہ جھٹ سے کھڑی ہوگئی۔ "کون ہے؟"

کھڑکی کھلی ہوئی تھی لیکن کمرے میں کوئی نہیں تھا۔

اقصیٰ یک لخت خوفزدہ ہوگئی۔ وہ کھڑکی بند کرنے کے لیے ڈرے ڈرے انداز میں کھڑکی کی طرف بڑھی۔ اُس نے کھڑکی بند کی تو اُس کی نظر اپنے بھورے رنگ کے کارپٹ پر پڑی تو خوف سے اُس کی آنکھیں باہر کو آگئیں۔ اُس کا حلق خشک ہونے لگا۔

کارپٹ پر خون سے بھرے پنجوں کے نشان تھے جو کھڑکی سے شروع ہوکر اُس کے بیڈ تک جارہے تھے۔ اقصیٰ نے خود پر قابو پاتے ہوئے غور کیا تو وہ پنجوں کے نشان کسی بلّی کے محسوس ہورہے تھے۔

اقصیٰ الٹے قدموں سے دروازے کی طرف بڑھنے لگی تو اُس کے قدم یک لخت زمین پر جامد ہوگئے۔ اُس کے قدم زمین سے اِس طرح پیوست ہوگئے کہ وہ کسی طرح سے بھی حرکت نہیں کرسکتے تھے۔

اقصیٰ کے دِل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ پہلے اقصیٰ اتنا کبھی نہیں ڈری تھی لیکن اِن لمحوں میں خوف اور دہشت جیسے اُس کی رگوں میں سرایت کرگیا۔

وہ لمبے لمبے سانس لینے لگی۔

اُس کا دِل چاہا کہ وہ اونچی آواز میں چیخے لیکن اُس پر دباؤ کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ اُس کی زبان میں جیسے بَل آگیا۔ وہ منہ سے دبی دبی آوازیں نکالنے لگی۔

"اوں اوں" جسے وہ صرف خود ہی سن سکتی تھی۔

بیڈ کے بالکل سامنے ڈریسنگ ٹیبل تھا جس پر بہت بڑے سائز کا شیشہ لگا ہوا تھا۔

گونگے پن کی اِس کیفیت میں اقصیٰ پھٹی پھٹی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ جب اُس کی نظر شیشے پر پڑی تو وہ چونک کے رہ گئی۔

شیشے میں بیڈ کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔ جس پر ایک عورت اپنے لمبے لمبے بال پھیلائے اِس انداز میں بیٹھی تھی کہ اُن بالوں میں اُس کا چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ جبکہ بیڈ پر کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اقصیٰ نے یہ دیکھا تو اُس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ خوف کے مارے وہ تھر تھر کانپنے لگی۔

دہشت سے اُس کا دم گھٹنے لگا۔

وہ اپنے ہاتھ اپنے گلے پر رکھے چلّانے کی کوشش کرنے لگی لیکن اُس کی قوتِ گویائی سلب ہوچکی تھی۔

بے بسی میں اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ اُس کی آخری رات ہے۔

جوں جوں وہ اُس خوفناک عورت کا عکس شیشے میں دیکھتی اُسے اپنی سانسیں ٹوٹتی ہوئی محسوس ہوتیں۔

اقصیٰ کی پھٹی پھٹی نگاہیں انگاروں کی طرح دہکنے لگیں۔

لیکن پھر ایک ہی ساعت میں اُس خوفناک عورت کا عکس شیشے میں سے غائب ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی اقصیٰ پر سے دباؤ کی کیفیت ختم ہوگئی اور اقصیٰ نے اپنے قدموں کو آزاد محسوس کیا۔ یک لخت اُس کے کمرے کی کھڑکی اِس طرح بجی جیسے کوئی چیز شدید جھٹکے سے اُس میں سے گزری ہو۔ اُس نے لپک کر کھڑکی کی طرف دیکھا تو کھڑکی بُری طرح سے جھول رہی تھی۔

اقصیٰ سہمے سہمے انداز میں دروازے کی طرف بڑھی اور پھر یک لخت اُس نے جھٹکے سے دروازہ کھولا اور کمرے سے باہر آگئی۔ اُسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی دہشت ناک گرداب سے باہر آگئی ہے۔

Scanned by iqbalmit@oneurdu.com

وہ لمبے لمبے سانس لینے لگی۔ اُس کے دل کی انتہائی تیز دھڑکن آہستہ آہستہ اپنی نارمل حالت میں آرہی تھی۔ کافی دیر کے بعد اُس کا ذہن اپنی نارمل حالت میں آیا۔ اُس کا ذہنی جھکاؤ اِس بات کی طرف ہوگیا کہ وہ روحیل کا کمرہ چیک کرے۔

اقصیٰ دبے پاؤں روحیل کے کمرے کی طرف بڑھی۔

پورے گھر میں ایک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ سب اپنے اپنے کمروں میں سو رہے تھے۔ اقصیٰ ننگے پاؤں آہستہ آہستہ خوف سے اردگرد دیکھتے ہوئے روحیل کے کمرے تک جاتی سیڑھی پر چڑھ رہی تھی۔ اقصیٰ اُس کے کمرے تک پہنچی تو اُس نے آہستگی سے دروازہ کھولا۔ وہ کمرے میں داخل ہوئی تو کمرے کی لائٹ آف تھی۔ اقصیٰ نے لائٹ آن کی تو کمرہ بالکل خالی تھا۔ روحیل اپنے کمرے میں موجود نہیں تھا۔

اقصیٰ نے اپنی تسلی کے لیے پورے گھر میں اُسے تلاش کیا لیکن وہ گھر میں موجود تھا ہی نہیں۔

اتنا بڑا واقعہ ہونے کے باوجود اقصیٰ نے انتہائی حوصلے کا ثبوت دیا۔ وہ اِس سناٹے میں پورے گھر میں روحیل کو ڈھونڈتی رہی لیکن روحیل کی اِس طرح غیر موجودگی نے اُسے پریشان کردیا۔ اُس نے دِل ہی دِل میں فیصلہ کرلیا کہ وہ اِس معاملے کی تہہ تک پہنچے گی۔

آدھی رات کا وقت تھا۔ اقصیٰ کو اپنے کمرے سے دہشت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اپنے کمرے کے نزدیک بھی جانا نہیں چاہتی تھی۔ اُس نے رات دو بجے کے قریب زرقا کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

"کون ہے؟" زرقا گھبراتے ہوئی بولی۔

"آنٹی میں ہوں۔"

"اقصیٰ بیٹی! اِس وقت؟" زرقا آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی اور دروازہ کھول دیا۔ "کیا ہوا بیٹی! طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری؟" زرقا نے

اقصیٰ کا ہاتھ پکڑا اور اُسے بیڈ پر بٹھا دیا۔

"آنٹی' دراصل مجھے نیند نہیں آرہی۔ میں آپ کے ساتھ سو جاؤں؟" اقصیٰ نے پیار بھرے لہجے میں پوچھا۔

"تم تو میری جان ہو۔ آجاؤ یہاں لیٹ جاؤ۔ میں تمہارے بالوں میں ہاتھ پھیرتی ہوں۔ تمہیں خود ہی نیند آجائے گی۔" زرقا نے اُسے اپنے ساتھ لٹا لیا۔

☆=========☆=========☆

صبح سب ناشتے پر اکٹھے بیٹھے تو ارسل نے اقصیٰ کا خوب مذاق اڑایا۔ "ویسے تو بڑی دانشور بنتی ہو۔ رات بچوں کی طرح ڈر کر آنٹی کے ساتھ لیٹ گئی۔ تم کیا کلینک چلاؤ گی۔" ارسل نے اقصیٰ کو چڑایا۔

"جی نہیں! میں ڈری نہیں تھی۔ ویسے ہی مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔"

"اب جتنا مرضی جھوٹ بولو۔ ہمیں پتہ چل گیا ہے کہ تم کتنی بہادر ہو۔" ارسل نے ایک قہقہہ لگایا۔

"ارسل! باز آجاؤ۔ ورنہ........." اقصیٰ کانٹا لے کر اُس کی طرف بڑھی۔

وہ دونوں مذاق کے انداز میں لڑ رہے تھے کہ روحیل نے دھیمے سے انداز میں کہا۔ "اقصیٰ ایک بہادر لڑکی ہے۔"

اقصیٰ نے روحیل کی طرف انتہائی سنجیدگی سے دیکھا۔ "میں بہادر ہوں یا نہیں۔ یہ تو نہیں جانتی۔ البتہ اتنا ضرور جانتی ہوں کہ اپنوں کو کسی مصیبت سے بچانے کے لیے میں بڑی سے بڑی آزمائش سے گزر سکتی ہوں۔"

روحیل نے اقصیٰ کی طرف دیکھا۔ "کچھ چیزیں انسان کے بس میں نہیں ہوتیں۔ بہرحال کسی ایسی آزمائش میں نہ پڑنا جس سے تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔" روحیل نے یہ کہہ کر اپنا سر جھکا لیا اور خالی پلیٹ میں چمچ چلانے لگا۔

وہ سب لوگ ناشتے کا انتظار کر رہے تھے لیکن بہت دیر ہوگئی کوئی ملازم ناشتہ

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

لے کر نہیں آیا۔ کچن کی طرف سے ایسی آوازیں ابھر رہی تھیں جیسے گھر کے ملازمین میں چہ میگوئیاں ہو رہی ہوں۔ ایک افراتفری سی پھیلی ہوئی تھی۔

زرقا نے غصے سے ملازم کو پکارا۔ "امجد!"

وہ ملازم تیزی سے زرقا کے پاس آیا۔

"تم لوگ کچن میں کیا کر رہے ہو۔ ابھی تک ناشتہ نہیں آیا۔ کیوں اتنا شور مچایا ہوا ہے؟" زرقا طیش میں بولی۔

"وہ......... بی بی جی۔ بات ہی پریشانی کی ہے۔ میں اور اکرم اکٹھے سرونٹ کوارٹر میں سو رہے تھے۔ صبح جب میں اٹھا تو اکرم کوارٹر میں موجود نہیں تھا۔ جبکہ اندر سے کنڈی ویسے ہی لگی ہوئی تھی اور کھڑکیاں بھی بند تھیں۔ اُسے زمین کھا گئی یا آسمان اُس کا کہیں کوئی پتہ نہیں چل رہا۔"

اُس کی یہ بات سن کر زرقا گھبرا کر اُٹھ گئی۔ "تو تم نے سب سے پہلے مجھے خبر کرنی تھی۔ چلو' ارسل اور روحیل جلدی سے گاڑی نکالو۔ شہر کا چپہ چپہ چھان مارو وہ ہمارا اتنا پرانا ملازم ہے۔"

یہ بات سُن کر سب پریشان ہو گئے۔ ارسل اور روحیل نے گاڑی نکالی اور اکرم کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔

وہ دونوں سارا دن اُسے ڈھونڈتے رہے لیکن اُس کا کہیں کوئی پتہ نہیں چلا۔ وہ دونوں مایوس ہو کر گھر لوٹے تو شام کے سات بج چکے تھے۔

"روحیل! تم اندر جا کر انہیں بتا دو۔ میرے سر میں شدید درد ہے۔ میں یہاں لان میں تھوڑی دیر بیٹھوں گا۔" یہ کہہ کر ارسل لان میں ہی رک گیا اور روحیل اندر چلا گیا۔

لان میں انتہائی اندھیرا تھا۔ بس ایک جگہ ایک لائٹ لگی ہوئی تھی۔ جس سے مدھم سی روشنی لان میں پھیلی ہوئی تھی۔ پودوں میں پلنے والے جھینگروں کی آوازیں

لان کے گمبھیر سناٹے میں کچھ زیادہ ہی بلند ہو رہی تھیں۔

ارسل لان میں لگی ہوئی لائٹ کے قریب بیٹھ گیا۔ ارسل کی پشت کی جانب ایک گھنی باڑ تھی جس سے اُس نے اپنی پشت کو ہلکا سا سہارا دے رکھا تھا۔

تھوڑی دیر وہ کسی سوچ میں ایسے ہی بیٹھا رہا۔

اُس نے اپنے بیٹھنے کا انداز بدلنے کے لیے اپنا داہنا ہاتھ گھاس پر رکھا تو اُس کا ہاتھ کسی مائع سی چیز میں بھر گیا۔ اُس نے اپنے ہاتھ کی اِس چپچپاہٹ سے گھن کھاتے ہوئے اپنا ہاتھ اوپر کیا تو اُس پر ایک سراسیمگی سی طاری ہوگئی۔ اُس کا ہاتھ خون میں لت پت تھا۔

وہ لرزتے ہوئے جھٹکے سے وہاں سے اُٹھا اور پھر اکڑوں بیٹھ کر اُس خون کو دیکھنے لگا۔ گھبراہٹ سے ارسل کا دِل دھک سے رہ گیا۔

گھاس کا ایک بہت بڑا حصہ گاڑھے گاڑھے خون میں رنگا ہوا تھا۔ ارسل نے بے چینی سے اپنی نظریں دوڑائیں تو خون میں لت پت گھاس کے ایک بڑے حصے کے بعد اُسے ایک خون کی دھار نظر آئی۔

شدید سردی میں بھی ارسل کا چہرہ پسینے سے تر ہوگیا۔ خون کی یہ دھار دیکھ کر ارسل کا دِل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اُس کی زبان خشک ہونے لگی۔

اُس نے ایک لمبا سانس کھینچا اور حوصلے سے اُس دھار کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ یہ دھار جہاں رکی وہ ایک گھنی باڑ تھی۔ ارسل کے قدم باڑ کے قریب رُکے تو دہشت سے اُس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ چکرا سا گیا۔ اُس کے دِل میں ایک ہول سا اٹھا جس نے اُسے سُن کرکے رکھ دیا۔

اُس نے باڑ کے قریب خون آلود دو انسانی ٹانگیں دیکھیں۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اِس انسان کا باقی دھڑ باڑ میں پھنسا ہوا ہے۔

اِس لمحے ارسل کی کیفیت بہت عجیب تھی لیکن اُس نے خود پر قابو پاتے ہوئے

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

حوصلہ کیا۔ اُس نے ایک طویل سانس کھینچ کر اپنے دِل کو مضبوط کیا اور دو ٹانگوں کو پکڑتے ہوئے باہر کی طرف گھسیٹا تو لاش مکمل باہر نکل آئی۔

ارسل نے اُس لاش کو دیکھا تو وہ بے ساختہ چیخ اٹھا۔ اُس کے ہاتھ اِس طرح کانپنے لگے جیسے اُس پر رعشہ سا طاری ہو گیا ہو۔ وہ دہشت سے یک لخت کھڑا ہو گیا۔ گھبراہٹ سے اُس کی جیسے آواز ہی بند ہوگئی۔

اُس کے سامنے اکرم کی مسخ شدہ لاش تھی۔ اُس کے پورے جسم کی ایسی حالت تھی۔ جیسے کسی جنگلی جانور نے اُس کی چیر پھاڑ کرکے رکھ دی ہو۔ کسی درندے نے اپنے خونخوار پنجوں کی تیز دھار سے اُسے جگہ جگہ سے چیر رکھا تھا۔ چہرہ تو اتنا مسخ تھا کہ اُس سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔

ارسل کا سانس پھول رہا تھا۔ اُس کا دِل چاہ رہا تھا کہ وہ اونچی اونچی آواز میں چیخے لیکن وحشت سے جیسے اُس کا پورا جسم ہی سُن ہو گیا۔

اکرم کے سینے پر اُس درندے نے ایک گڑھا بنا دیا تھا۔ جس سے گوشت کے لوتھڑے لٹک رہے تھے۔ جیسے اُس درندے نے اُس کا دِل ہی نگل لیا ہو۔ ارسل اپنی جگہ پتھر کا بنا کھڑا تھا۔

اقصیٰ اکرم کے متعلق پوچھنے کے لیے بھاگتی ہوئی لان میں آئی۔ اُس کی نظریں ارسل کو ڈھونڈنے لگیں۔ پھر جب اُس کی نظر لائٹ پر پڑی تو اُسے ارسل نظر آیا۔ وہ دوڑتی ہوئی اُس کی طرف بڑھی۔

"اندر سب لوگ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ اکرم کے بارے میں بات کرنی ہے۔ چلو آؤ۔ اندر چلتے ہیں۔"

اقصیٰ نے ارسل کا بازو کھینچا لیکن وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا۔ اُس کی آنکھوں میں سرخی جھانک رہی تھی۔ اقصیٰ نے تعجب سے اُس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔ کیا بات ہے؟"

اقصیٰ کی بات پر اُس نے باڑ کی طرف اشارہ کیا۔

اقصیٰ نے باڑ کی طرف دیکھا تو اُس نے چیخ کر دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں ڈھانپ لیں۔

اُس کا دل اُچھل کر حلق میں آگیا۔ کپکپاہٹ کی ایک لہر اُس کے پورے جسم میں دوڑ گئی۔

اکرم کی لاش کی اتنی بُری حالت اُس کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔ کوئی حوصلے والا ہی اُس کی یہ بھیانک لاش دیکھ سکتا تھا۔

اقصیٰ کا ذہن دہشت اور افسوس کے سمندر میں ہچکولے کھارہا تھا۔ اُس نے ارسل کے کندھے پر اپنا سر ٹیک دیا۔ "یہ سب کیا ہے ارسل؟" وہ ان گنت سوال لیے۔ ترچھی نظر سے اُس لاش کی طرف دیکھ رہی تھی کہ اچانک اُسے یوں محسوس ہوا جیسے اُس لاش نے اپنی مُٹھی کو مضبوطی سے بند کیا ہوا ہے۔

وہ ارسل سے پیچھے ہٹتی ہوئی اُس لاش کی طرف بڑھی۔ خوف سے اُس کی ٹانگوں میں ایک ارتعاش سا تھا لیکن وہ بڑے حوصلے سے اُس لاش کے قریب بیٹھی اور دِل کو مضبوط کرتے ہوئے اُس کی بند مُٹھی کو کھولنے لگی۔ اقصیٰ میں حوصلہ اِس امر کا غماز تھا کہ اُسے ہر حال میں اس مسئلے کی تہہ تک پہنچنا ہے۔

بہت دیر ہوجانے کے باعث لاش کی مُٹھی اکڑ گئی تھی۔ اقصیٰ نے اپنی پوری طاقت کے ساتھ اُس ہاتھ کو ایک جھٹکا سا دیا تو وہ مُٹھی کھل گئی۔

مُٹھی کھلی تو اقصیٰ کے ہوش اڑ گئے۔ لاش کے ہاتھ میں وہ لاکٹ تھا جو اقصیٰ نے روحیل کے گلے میں اُس وقت دیکھا جب کتوں نے اُس پر حملہ کیا تھا۔

اقصیٰ سراسیمگی کے عالم میں اُس لاکٹ کو لے کر کھڑی ہوئی تو یک لخت ایک خوفناک شاہین فضا کو چیر کر بھیانک انداز میں چیختا ہوا اُس کی طرف بڑھا۔ اُس کی

اِس برقی سرعت سے اقصیٰ لرز کر رہ گئی۔

اِس برقی سرعت میں ایک جھٹکے سے وہ شاہین اقصیٰ کی طرف بڑھا اور اپنی نوک دار چونچ سے اقصیٰ کے ہاتھ سے وہ لاکٹ لے اُڑا۔ اقصیٰ اور ارسل کے سامنے وہ خوفناک شاہین چونچ میں لاکٹ لٹکائے اپنی بھیانک آواز کے ساتھ فضا میں بلند ہوگیا۔

اقصیٰ اور ارسل سکتے کی سی کیفیت میں یہ سب کچھ دیکھتے رہے۔ پھر ارسل نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اقصیٰ کی طرف دیکھا۔ "اقصیٰ! یہ ہمارے گھر میں کیا ہو رہا ہے؟"

ابھی وہ دونوں تعجب کے اِس عالم میں ایک دوسرے سے سوال کررہے تھے کہ زرقا' رخسانہ اور روحیل بھی وہاں آگئے۔

بس اُن کا آنا تھا کہ پوری حویلی میں ایک قیامت برپا ہوگئی۔ گھر کے سب ملازمین اُس خستہ حالت لاش کے گرد بین ڈالنے لگے۔

روحیل بھی افسردہ شکل بنائے یہ سب دیکھ رہا تھا لیکن اِن لمحوں میں اقصیٰ کی نظر میں ہر چیز دھندلا گئی تھی۔ اُس کی نظروں کا مرکز صرف روحیل تھا۔ اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی ناگہانی آفت اُن کے دروازے پر دستک دے رہی ہے۔

زرقا نے سب ملازمین کو اپنے اعتماد میں لے لیا کہ کسی بھی طرح سے یہ قتل کی بات کوٹھی سے باہر نہیں جانی چاہیے۔

لیکن اکرم کے وحشیانہ قتل نے پوری حویلی میں ایک دہشت پھیلادی۔ گھر کے ہر فرد کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے کوئی خون آشام درندہ اُن کے آس پاس ہی موجود ہے۔ اکرم کی ادھ کھائی ہوئی لاش نے اُن کے رونگٹے کھڑے کرکے رکھ دیئے تھے۔

پوری حویلی میں پھیلی ہوئی سنسنی سے زرقا بھی بہت پریشان تھی۔

لیکن گھر میں سب سے زیادہ جو فرد پریشان تھا وہ اقصیٰ تھی۔ کیونکہ اُس کی

پریشانی کی نوعیت گھر میں کوئی نہیں جانتا تھا۔

اقصیٰ رات بھر بے چینی سے اپنے کمرے میں گشت کرتی رہی۔ اُس کا دھیان روحیل کے کمرے کی طرف تھا۔ جیسے اُس کی نگاہیں اُس کے کمرے کی چوکھٹ پر پہریدار ہوگئیں ہوں۔ وہ روحیل پر شک نہیں کررہی تھی لیکن کچھ شبہات یہ ظاہر کررہے تھے کہ اِن واقعات کا تعلق روحیل سے ہے۔ یہ تعلق کس کس اعتبار سے ہے، اِس مسئلے میں اُس کا ذہن الجھا ہوا تھا۔

کچھ دیر سوچنے کے بعد اُس نے ایک پین اور ایک ڈائری نکالی اور اپنی الجھنوں کو صفحات پر نوٹ کرنے لگی۔ اُس نے چند سطریں لکھیں۔

روحیل کے خون سے کتوں کی موت۔

بلی کے روپ میں میرے کمرے میں داخل ہونے والی وہ خوفناک عورت۔

اور پھر اکرم کا بھیانک قتل۔

لاش سے ملنے والا روحیل کا لاکٹ جو ایک شاہین لے اڑا۔ جسے حویلی کے گرد پہلے بھی دیکھا گیا ہے۔

اقصیٰ حیرت کی اِن کڑیوں میں کھوئی ہوئی تھی کہ یکدم پورا کمرہ کسی عورت کے قہقہوں سے گونج اٹھا۔ اقصیٰ لرز گئی۔ وہ اِس قدر خائف ہوئی جیسے اپنی کرسی پر ہی پتھر ہوگئی ہو۔ دہشت سے اُس کے ہاتھ کانپنے لگے لیکن قہقہوں کی وہ خوفناک آواز مسلسل آرہی تھی۔

اقصیٰ کی آنکھوں کے سامنے اکرم کا مسخ چہرہ آرہا تھا۔ وہ خود کو بے بس اور اکیلا محسوس کررہی تھی۔ خوف سے وہ پسینے میں شرابور ہوگئی۔

پھر چند ہی منٹوں کے بعد قہقہوں کی یہ آواز بند ہوگئی اور کانوں کو چیرنے والی ایک چیخ دار آواز فضا میں بلند ہوئی۔

"ایک سوال لکھنا تو بھول رہی ہے۔" اِس آواز کے ختم ہوتے ہی اقصیٰ کا ہاتھ

خود بخود جنبش کرنے لگا۔ جس سے اُس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا پین بھی اپنے آپ حرکت کرنے لگا۔ اقصیٰ کے تو جیسے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ تھرتھراہٹ کی ایک سرد لہر اُس کے پورے جسم میں دوڑ گئی۔ اُس کے خودبخود چلتے ہوئے پین نے ایک نام لکھا۔ جس کے آگے سوالیہ نشان ڈال کر اُس کے پین کی جنبش رُک گئی۔

اقصیٰ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اُس صفحے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ خوف کے مارے وہ پسینے میں شرابور تھی۔ اُس نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز سے اُس نام کو پڑھا۔

"صائم؟"

ابھی یہ الفاظ اُس کی زبان سے ادا ہی ہوئے تھے کہ کھڑکی کی جانب سے بھاری بھاری پروں کے پھڑپھڑانے کی آواز ابھری جیسے کوئی بھاری بھاری پروں والا پرندہ کھڑکی سے باہر نکلا ہو۔ اقصیٰ نے حوصلہ کیا اور لپک کے کھڑکی کی طرف دیکھا لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔ اقصیٰ نے اپنی نظر پورے کمرے میں گھمائی۔ پورے کمرے میں ایک خوفناک سناٹے کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ اقصیٰ نے اطمینان کا ایک لمبا سانس لیا اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

وہ باہر نکلی تو ارسل اپنے کمرے کے باہر کرسی رکھے بیٹھا ہوا تھا۔ اقصیٰ کے کمرے سے اٹھنے والا شور اُس کے کانوں تک نہیں پہنچا تھا۔ یعنی وہ شور صرف اقصیٰ کے کمرے تک ہی محدود تھا۔

اقصیٰ نے ارسل کو دیکھا تو اُس کی جان میں جان آگئی۔

وہ تیز تیز قدموں سے دوڑتی ہوئی ارسل کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ ارسل نے تعجب سے اُس کی طرف دیکھا۔

"کیا ہوا اقصیٰ! خیریت تو ہے؟"

"کمرے، میں بہت جی گھبرا رہا تھا۔ کچھ خوف بھی محسوس ہو رہا تھا لیکن تم کیوں باہر بیٹھے ہو؟"

scanned by iqbalmt@oneurdu.com

"میری طبیعت میں عجیب سی بے چینی ہے۔ دِل میں ایک ہول سا اٹھتا ہے۔ جیسے کچھ ہونے والا ہے۔ ایک کھٹکا سا ہے۔ جب سونے کی کوشش کرتا ہوں تو عجیب عجیب سے دباؤ پڑتے ہیں۔"

اقصیٰ نے ارسل کی یہ بات سنی تو اُس نے پریشان کن انداز میں کہا۔ "ارسل! کسی ناگہانی آفت کے آثار میں بھی دیکھ رہی ہوں بلکہ دیکھ چکی ہوں لیکن ابھی میں تمہیں کچھ بتانا نہیں چاہتی۔ میں نے وہ حیرت انگیز واقعات دیکھے ہیں جو میں بیان نہیں کرسکتی لیکن اب میں نے خود میں حوصلہ پیدا کرلیا ہے۔ فی الحال میں تمہیں کچھ نہیں بتاسکتی لیکن تمہارا ساتھ چاہتی ہوں۔ مجھے انتہائی خطرناک راستے پر چلنا ہے۔ کچھ پوچھے بغیر میرا ساتھ دینے کا وعدہ کروگے؟"

"اقصیٰ! میری طبیعت میں لاپرواہی ہے لیکن میں تم سب لوگوں سے کتنا پیار کرتا ہوں' یہ تو تم جانتی ہو۔ میں ہر قدم پر تمہارے ساتھ ہوں۔ بلکہ تمہاری بات سُن کر تو مجھے تمہارا فکر ہوگیا ہے۔ اب تو میں سائے کی طرح تمہارے ساتھ رہوں گا' ہاں وہ یاد آیا۔ تمہارے کلینک کا کام مکمل ہوگیا ہے جب چاہے اُس کا افتتاح کرلو۔"

"ہاں' میں جلد ہی اپنے کلینک کا افتتاح کروں گی۔ ابھی میرا ذہن ایک سوال میں الجھا ہوا ہے۔ صبح ناشتے میں ہی آنٹی زرقا سے یہ سوال پوچھوں گی۔"

☆=========☆=========☆

صبح ناشتے میں سب لوگ اکٹھے بیٹھے ناشتہ کررہے تھے۔ ارسل اور اقصیٰ ساتھ ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور اُن دونوں کے سامنے روحیل کی کرسی تھی۔ زرقا بہت غور سے اقصیٰ کی طرف دیکھنے لگی۔

"بٹی! کیا بات ہے؟ میں کچھ دنوں سے محسوس کررہی ہوں کہ تم بہت چُپ چُپ سی رہتی ہو۔ دبلی بھی ہورہی ہو اور یہ تمہاری آنکھیں کیوں اُتری ہوئی ہیں۔

Scanned by iqbalkt@oneurdu.com

رات کو کیا سوئی نہیں؟"

زرقا کی بات پر اقصیٰ خاموش رہی جبکہ ارسل نے تیزی سے نوالہ اندر کیا اور بتانے لگا۔ "آنٹی یہ اپنا بالکل بھی خیال نہیں رکھتی۔ کچھ راتوں سے مسلسل جاگ رہی ہے۔"

اقصیٰ نے فوراً ارسل کی بات کاٹی۔ "رات تو جناب ارسل بھی جاگ رہے تھے۔"

"میں تو صرف رات ہی جاگا ہوں۔" ارسل نے جھٹ سے جواب دیا۔

"اچھا بھئی اب لڑنا شروع نہ کردینا۔" زرقا نے انہیں ڈانٹا۔

روحیل خاموشی سے یہ تمام باتیں سُن رہا تھا۔

اقصیٰ کسی سوچ میں گُم اپنی پلیٹ میں چمچ ہلاتی رہی۔

پھر زرقا کی طرف دیکھ کر کہنے لگی۔ "آنٹی رات بیٹھے ہوئے میرے ذہن میں ایک نام آیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں نے آپ کی زبان سے وہ نام سنا ہوا ہے۔"

"کون سا نام بٹی؟" زرقا نے سوال کیا۔

"صائم!" اقصیٰ نے زرقا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ نام سنتے ہی روحیل کا چمچ اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اقصیٰ نے روحیل کی طرف دیکھا تو وہ تشویشناک نظروں سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

زرقا نے ہنستے ہوئے اقصیٰ سے کہا۔ "یہ نام تو روحیل کی ماں کا ہے۔" اُس کے لیے یہ بات معمولی تھی۔

لیکن اقصیٰ کے کانوں میں جیسے سیٹیاں سی بجنے لگیں۔ ایک بار تو اُس کا ذہن ماؤف ہوکر رہ گیا۔ جیسے اُس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی سلب ہوگئی ہو۔ پھر کچھ دیر کے بعد اُس نے اپنے آپ کو ایک جھٹکا سا دیا۔ روحیل کسی گہری سوچ میں اقصیٰ

کی طرف مسلسل دیکھ رہا تھا۔ اُس کی پیشانی پر بھی کسی پریشانی کی لکیریں عیاں ہو رہی تھیں۔ آخر وہ اقصیٰ سے مخاطب ہوا۔

"اقصیٰ! اِس نام میں تم اتنی دلچسپی کیوں لے رہی ہو۔ چلو اگر یہ جان ہی گئی ہو کہ یہ میری ماں کا نام ہے تو اِس سے آگے کچھ جاننے کی کوشش نہ کرنا۔ میں تمہیں ایک کزن کی حیثیت سے سمجھا رہا ہوں کہ اِس معاملے میں اب آئندہ کوئی دلچسپی مت لینا۔"

اقصیٰ روحیل کی بات سُن کر خاموشی سے وہاں سے چلی گئی لیکن اپنی اِس خاموشی میں وہ اپنے اندر اٹھنے والے سوالوں کے ایک بھونچال کو چھپا گئی۔

دوپہر کو ارسل اقصیٰ کے کمرے میں آیا تو اقصیٰ، ہپناٹزم کی ایک موٹی سی کتاب پڑھ رہی تھی۔

ارسل نے اُس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اقصیٰ! ہپناٹزم میں تمہاری مہارت کتنی ہے؟"

"اتنی ہی جتنی ایک ماہر نفسیات کی ہونی چاہیے۔" اقصیٰ نے کتاب بند کرتے ہوئے کہا۔

"خیر اب سارے ماہر نفسیات تمہاری طرح محنتی تو نہیں ہوتے۔ اقصیٰ! وہ روحیل کی ماں کی کیا بات تھی؟" ارسل نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"اس کے متعلق میں تمہیں پھر بتاؤں گی۔ فی الحال یہ بتانا چاہتی ہوں کہ میرا پروگرام ہے کہ آج شام ہی میں اپنے کلینک کا افتتاح کروں۔"

"بھئی یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ خوشی کا یہ موقع ہم سب مل کر تمہیں سیلی بریٹ کریں گے۔ ہم سب جائیں گے۔" ارسل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

☆ ========= ☆ ========= ☆

گھر کے سب لوگ اقصیٰ کے ساتھ گئے اور اس کی اس خوشی میں شامل ہوئے۔ زرقا نے آگے بڑھ کر ربن کاٹا تو گھر کے سب لوگوں نے اپنی خوشی کا اظہار تالیوں کی صورت میں کیا اور اقصیٰ کو اس کی کامیابی کے لیے ڈھیر ساری دعائیں دیں۔

خوشی کے اس موقع پر بھی اقصیٰ پر ایک عجیب تشنگی کی کیفیت مسلط تھی۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کلینک کا اچانک افتتاح بھی اسی سوچ کا کوئی حصہ ہے۔

اقصیٰ روحیل کے قریب آئی۔ "روحیل! اس خوشی کے موقع پر سب نے مجھے ڈھیروں دعائیں دی ہیں۔ اس خوشی کے موقع پر اگر میں تم سے کچھ مانگوں تو تم مجھے دو گے؟"

"تم نے مجھے اِس قابل سمجھا کہ مجھ سے ایسا سوال کیا۔ میرے لئے یہ بہت بڑی بات ہے۔ تم مجھ سے کچھ مانگ کے تو دیکھو۔" روحیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"دیکھو، اب اپنی بات پر قائم رہنا۔ بہت عجیب سی بات ہے لیکن یہ میری خواہش ہے۔ کل میرے کلینک کا پہلا دِن ہے۔ میری خواہش ہے کہ.......... تم میرے کلینک میں پہلے مریض بن کر آؤ۔"

"کیا مطلب! تم مجھے ذہنی مریض سمجھتی ہو؟" روحیل سنجیدہ سا ہوگیا۔

"روحیل، تم نے میری بات پر غور نہیں کیا۔ میں نے کہا ہے مریض بن کر آو۔ میں نے تمہیں مریض تو نہیں کہا۔ ہم باتیں کریں گے مختلف موضوعات پر۔ تم میری اتنی سی بات نہیں مان سکتے!" اقصیٰ نے خفگی بھرے انداز میں کہا۔

"میں نے انکار کب کیا ہے۔ صبح دس بجے میں تمہارے کلینک آجاؤں گا۔"

"شکریہ روحیل! تم نے یہ بات مان کر میری خوشی کا یہ موقع سیلی بریٹ کیا ہے۔ میں کل کلینک میں اپنے پہلے مریض کا انتظار کروں گی۔" اقصیٰ نے ہنستے ہوئے کہا۔

اگلے روز اقصیٰ صبح صبح تیار ہو کر کلینک جانے لگی تو اُس نے رخسانہ اور زرقا سے پیار لیا۔ اِس روز وہ بہت خوش تھی کہ آج اُس نے اپنی منزل پالی ہے۔ زرقا نے اُسے اُس کی کامیابی کے لئے دعائیں دیں۔

ارسل بھی اقصیٰ کی اِس کامیابی پر خوش تھا لیکن اقصیٰ کو ستائے بغیر اُسے چین نہیں آتا تھا۔ "اللہ رحم کرے لوگوں پر۔ پتہ نہیں یہ کس کس کو پاگل کریں گی۔" ارسل سلائس ہاتھ میں تھامے اقصیٰ کو تنگ کر رہا تھا۔

"آنٹی! آپ اِسے منع کریں۔" اقصیٰ نے پلٹ کر ارسل کی طرف دیکھا تو ارسل نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اچھا بابا سوری۔ آج تمہارا پہلا دن ہے۔ اِس لئے کچھ نہیں کہتا۔ تین بجے کے قریب تمہارے کلینک آؤں گا۔"

اقصیٰ نے مسکراتے ہوئے ارسل کی طرف دیکھا اور خدا حافظ کہہ کر وہاں سے چل دی۔

زرقا نے ایک بھاری لاگت کے ساتھ اقصیٰ کا کلینک بنوایا تھا۔ جس میں جدید تقاضوں کے مطابق ہر آسائش موجود تھی۔

اقصیٰ نے اپنے کلینک کی سیٹنگ میں کچھ تبدیلی کی اور پھر اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اقصیٰ بار بار گھڑی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اُسے روحیل کا شدت سے انتظار تھا۔

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

حالانکہ ابھی اتنا وقت نہیں ہوا تھا لیکن روحیل کے انتظار کی وجہ سے اُس کا ذہن بار بار گھڑی کی طرف جا رہا تھا۔ اُس نے اردگرد دیکھا۔ تو اُس کی نظر الماری پر پڑی۔ جس میں چیزوں کی ترتیب درست نہیں تھی۔ اقصیٰ اُس الماری کی طرف بڑھی اور اُس کی چیزوں کی ترتیب درست کرنے لگی۔

اِس طرح کے چھوٹے موٹے کاموں میں پونے دس ہو گئے۔ اقصیٰ نے ایک چھوٹے سے سٹاف کا بندوبست بھی کیا تھا لیکن انہوں نے اگلے روز سے آنا تھا۔ فی الحال اقصیٰ بالکل اکیلی تھی۔ وہ دیوار پر لگے بورڈ چیک کر رہی تھی کہ اُسے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا تو روحیل اُس کے سامنے کھڑا تھا۔

اقصیٰ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔"

ٹیبل سے ہٹ کر دو کرسیاں آمنے سامنے پڑی ہوئی تھیں۔ وہ دونوں اُن پر بیٹھ گئے اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔ روحیل بہت کم گو تھا لیکن اقصیٰ کی وجہ سے آج بات کر رہا تھا۔ پہلے اقصیٰ چھوٹے چھوٹے موضوعات پر اُس سے خوب باتیں کرتی رہی اور وہ اُن باتوں کے جواب بہت سرسری سے انداز میں دیتا رہا لیکن پھر اقصیٰ آہستہ آہستہ اُن باتوں کی طرف آنے لگی جو اُس کا اصل مقصد تھیں۔

"روحیل میں نے جب بھی تم سے کوئی بات کی، تم نے اس کا جواب ہمیشہ گول مول انداز میں دیا ہے۔ تم مجھ پر تو پورا پورا اعتماد کرتے ہونا۔ آج میں تم سے کچھ پوچھوں گی۔ تم مجھے اس کا صحیح جواب دینا۔ میں تم سے تمہاری نجی زندگی کے بارے میں نہیں پوچھوں گی۔ بس ایک دوست کی حیثیت سے تمہاری شخصیت کے کچھ پہلو جاننا چاہتی ہوں۔" اقصیٰ نے نہایت خلوص سے کہا۔

"اقصیٰ! میں نے تمہیں ہمیشہ ایک پُرخلوص کزن کی حیثیت سے ہی دیکھا ہے۔ تمہیں کبھی غیر نہیں سمجھا کہ خود کو تم سے پوشیدہ رکھوں لیکن کچھ چیزیں پوشیدہ ہی بہتر ہوتی ہیں۔ پھر بھی میں تمہارے سوالوں کا جواب آج درست دوں گا۔" روحیل

نے یہ کہہ کر خاموشی سے سر جھکا لیا۔

"روحیل تمہیں خواب کس نوعیت کے آتے ہیں؟"

"مجھے کبھی کوئی خواب نہیں آیا۔ میری کچھ الجھنیں ایسی ہیں جنہیں سلجھانے بیٹھو گی تو خود الجھ جاؤ گی۔"

روحیل نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

"اگر تم ہمیں اپنا سمجھتے ہو تو جو تمہارے دل میں آتا ہے کہہ دو۔" اقصیٰ نے روحیل کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"تم مجبور کرتی ہو تو سنو۔ میں خود کو نامکمل انسان اِس لئے کہتا ہوں کہ میری زندگی میں رات آتی ہی نہیں ہے۔ دِن میں مَیں ٹھیک ہوتا ہوں لیکن جب رات کے دس بجتے ہیں تو میں اپنا آپ کہیں کھو دیتا ہوں۔ مجھے رات کا کوئی پہر یاد نہیں ہوتا۔ کبھی نیند نے بھی مجھے اپنی آغوش میں نہیں لیا۔ تو پھر میری رات کا یہ حصہ کہاں کھو جاتا ہے۔ بس جب فجر کی اذان ہوتی ہے تو میں خود کو اپنے بستر پر محسوس کرتا ہوں۔ اُس وقت میرے اعصاب سے لے کر میری رگیں تک درد سے دکھ رہی ہوتی ہیں اور دماغ کی رگیں تو یوں پھڑک رہی ہوتی ہیں۔ جیسے یہ پھٹ جائیں گی۔"

روحیل کی یہ بات سن کر اقصیٰ حیرت سے سُن ہوگی۔

"یہ تو بہت عجیب بات ہے۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔"

"الجھ گئی نا۔" روحیل عجیب سے انداز میں مسکرایا۔ اقصیٰ نے مضطرب سی کیفیت میں اپنا سر پکڑ لیا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

"اور وہ تمہاری ماں.........." اس سے پہلے کہ اقصیٰ اُس کا نام اپنی زبان پر لاتی۔ روحیل یک لخت بولا۔

"آگے اور کچھ مت کہنا۔ میں کسی بھی قیمت میں نہیں چاہتا کہ تم میری ماں

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

کے بارے میں جاننے کی کوشش کرو۔ جس طرح میں نے تمہاری بات مانی ہے۔ ایسے ہی تم بھی میری بات مان لو۔ آئندہ میری ماں کے بارے میں نہ سوچنا۔" روحیل کے لہجے ایک ارتعاش سا آگیا۔

اقصیٰ موقع کی مناسبت دیکھ کر خاموش ہوگئی۔

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اقصیٰ نے روحیل کی طرف دیکھا۔

"اگر تم میرا ساتھ دو تو میں تمہارا یہ مسئلہ حل کرسکتی ہوں کہ تمہیں رات کا حصہ یاد کیوں نہیں رہتا۔"

"وہ کیسے؟" روحیل نے تعجب سے کہا۔

"میں تمہیں ہپناٹائز کردوں گی۔ انجکشن کے ذریعے تمہیں عارضی نیند دوں گی۔ جس سے تم خود بتاؤ گے کہ تم رات کو کیا کرتے ہو؟" اقصیٰ نے روحیل کو قائل کرنے کی کوشش کی۔ اقصیٰ کا روحیل کو کلینک بلانے کا اصل مقصد ہی یہی تھا کہ وہ کسی بھی طرح سے اُسے ہپناٹزم کے لئے رضامند کرلے۔

"اقصیٰ! چھوڑو' میں اِن چکروں میں نہیں پڑنا چاہتا۔" روحیل نے بات کو ٹالنے کی کوشش کی۔

"روحیل! تم نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ آج میری کوئی بات نہیں ٹالو گے۔" اقصیٰ نے بُرا سامنہ بناتے ہوئے کہا۔

روحیل نے تھوڑی دیر کے لئے اقصیٰ کی طرف دیکھا اور پھر دھیمے سے انداز میں بولا۔ "اچھا بھئی! تم اپنا شوق پورا کرلو۔ تمہاری بات نہیں ٹال رہا ورنہ میں اِس کے لئے کبھی تیار نہ ہوتا۔"

"روحیل! آج احساس ہو رہا ہے کہ تم میں کتنی اپنائیت ہے۔ تم نے میری بات مان کر میرا مان رکھ لیا ہے۔ بس اب تمہیں میرے ساتھ تعاون کرنا ہوگا۔ تم اِس بینچ پر لیٹ جاؤ۔"

روحیل بینچ پر بالکل سیدھا لیٹ گیا۔

"اب تم اپنے ذہن کو ہر طرح کے فکر سے آزاد کردو۔ اپنے اعضاء ڈھیلے چھوڑ دو۔ تمہارے ذہن میں کسی قسم کا کوئی تناؤ نہیں ہونا چاہئے۔ اِسے بالکل خالی کردو۔ اب آنکھیں بند کرلو۔"

روحیل نے اقصیٰ کی اِن باتوں پر عمل کیا اور اپنی آنکھیں بند کیں تو اقصیٰ نے سجیشن دینا شروع کی۔ وہ آہستہ آہستہ دھیمی دھیمی آواز میں بول رہی تھی۔

"تم پر آہستہ آہستہ نیند طاری ہو رہی ہے۔ تمہاری آنکھیں نیند سے بوجھل ہورہی ہیں۔ تم سو رہے ہو۔ تم سو رہے ہو........." اقصیٰ اِس فقرے کو بار بار دہرا رہی تھی۔ چند ہی ساعتوں میں روحیل عارضی نیند سو گیا یعنی ہپناٹسس ہوگیا۔

اقصیٰ نے اب اپنی سجیشن بدلی۔ "تم اِس وقت کائنات کی ہر چیز سے غافل ہو چکے ہو۔ تمہارے ذہن کی ساری توجہ صرف میری آواز کی طرف مرکوز ہے۔ تمہارا دایاں بازو جو اِس وقت ہوا سے بھی ہلکا ہے اُسے اوپر اٹھاؤ۔" یہ کہہ کر اقصیٰ نے چیک کیا تھا کہ روحیل کا ذہن اُس کے کنٹرول میں آگیا ہے اور وہ اُس کے پیغام کو وصول کررہا ہے۔

روحیل کے دائیں ہاتھ نے ہلکی ہلکی جنبش کی اور پھر اُس کا دایاں بازو فضا میں بلند ہوگیا جس سے اقصیٰ جان گئی کہ روحیل کا ذہن اب اُس کے مکمل کنٹرول میں آگیا ہے۔

وہ آگے چلی اور نہایت اعتماد سے بولی۔ "اب تم مجھ سے باتیں کروگے۔ میرے سوالات کا جواب دوگے۔ تم پانچ برس پیچھے چلے جاؤ۔"

روحیل آنکھیں بند کئے سیدھا لیٹا ہوا تھا۔ اُس کی زبان سے کوئی حرف نہیں نکلا۔ اُس کا ذہن تصوراتی ٹائم مشین میں بیٹھ کر مختلف مدارج طے کرنے لگا۔

اقصیٰ نے قریب ہوتے ہوئے کہا۔ "پانچ برس پیچھے چلے گئے ہو تو بتاؤ۔ کیسی

جگہ پر رہ رہے ہو؟"

روحیل کے ہونٹ کانپنے لگے جیسے وہ جنبش کے لئے بے چین ہیں۔ پھر اُس نے بولنا شروع کیا۔

"ایک پتھریلی غار کے اندر جو ایک خوفناک کھنڈر میں ہے۔ اپنی ماں کے ساتھ رہتا ہوں۔"

"وہاں انسان نہیں بستے؟" اقصیٰ نے پوچھا۔

"نہیں! وہ آسیبوں کا علاقہ ہے۔" روحیل آنکھیں بند کئے دھیرے دھیرے بول رہا تھا۔

"تمہاری ماں کی شکل کیسی ہے؟" اقصیٰ نے ٹھہراؤ بھرے لہجے میں کہا۔

"اُس کے تین روپ ہیں۔ ایک خوبصورت عورت کا دوسرا ایک شاہین کا اور تیسرا سیاہ خوفناک بلی کا۔ اِن تین روپوں میں وہ ہر جگہ میرے ساتھ ہوتی ہے۔ اُس پتھریلی کان میں مَیں ایک جانور کی طرح محصور ہوتا ہوں۔ ماں کہتی تھی کہ رات کے وقت اِس پورے کھنڈر میں میری ہی طاقت کا راج ہوتا ہے۔ دن میں جب کبھی میں گھبراتا تو پلک جھپکتے ہی وہ مجھے انسانوں کے ہجوم میں پہنچا دیتی۔"

روحیل کا ذہن اقصیٰ کی سجیشن کا پابند تھا۔ وہ بے حس و حرکت آنکھیں بند کئے غیر قدرتی نیند میں اقصیٰ کی ہر بات کا جوابدہ تھا۔ اقصیٰ اُس کے لاشعور تک پہنچ چکی تھی۔ جس سے اُس کے سینے میں دفن راز ایک ایک کرکے اقصیٰ کے سامنے آرہے تھے۔

روحیل کی باتیں اقصیٰ کی سمجھ سے باہر تھیں۔ جوں جوں روحیل بول رہا تھا۔ اقصیٰ کا ذہن مزید الجھتا جارہا تھا۔

اقصیٰ نے تشنگی کی کیفیت میں تھوڑی دیر کچھ سوچا اور پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو جنبش دیتے ہوئے آہستگی سے بولی۔ "اب تم اپنی موجودہ زندگی میں واپس آجاؤ۔ آج

کیا تاریخ ہے۔"

"چھبیس!" روحیل نے جواب دیا۔ جس سے اقصیٰ مطمئن ہوگئی کہ روحیل اپنی موجودہ زندگی میں آچکا ہے۔ پھر اُس نے اپنا اگلا سوال کیا۔

"تیئس تاریخ کی رات کو دس بجے کے بعد تم اپنے کمرے نہیں تھے۔ کہاں گئے تھے۔ کیا کررہے تھے؟"

اقصیٰ کے اِن سوالات کا روحیل نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ انتظار کرنے لگی کہ شاید روحیل اب کچھ بولے لیکن روحیل کے ہونٹوں پر کوئی جنبش تک نہ ہوئی۔ اقصیٰ نے اپنا سوال بار بار دہرایا لیکن روحیل ٹس سے مس نہ ہوا۔ اُس پر ایک مکمل خاموشی طاری ہوگئی۔

اُس کی یہ مکمل خاموشی دیکھ کر اقصیٰ پریشان ہوگئی کہ کہیں روحیل کی ذہنی حالت میں کوئی فرق تو نہیں پڑ گیا۔

اقصیٰ نے گھبراہٹ میں اپنی کن پٹی پر ہاتھ پھیرا۔ پریشانی میں اُس کا ذہنی دباؤ یک لخت بڑھ گیا۔

وہ روحیل کے قریب ہوئی اور پختگی سے بولی۔ "روحیل! تم میری بات سن رہے ہو نا۔ تم میری بات کا جواب کیوں نہیں دے رہے؟" اقصیٰ اپنی اس سجیشن کو بار بار دہرانے لگی۔ حتیٰ کہ اُس کا سر درد سے پھٹنے لگا لیکن روحیل غیر قدرتی نیند کی حالت میں بے حس و حرکت بالکل خاموش لیٹا ہوا تھا اور یہ بات انتہائی خطرناک تھی۔

اقصیٰ بے چینی سے اردگرد دیکھنے لگی۔ اُسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ وہ انتہائی پریشان کن نگاہوں سے روحیل کو دیکھ رہی تھی کہ اُسے محسوس ہوا کہ روحیل کے ہونٹوں نے کچھ جنبش کی ہے۔

یہ دیکھتے ہی اُس نے اپنی ذہنی طاقتوں کو یکجا کیا اور پُراعتماد لہجے میں کہنے لگی۔

"روحیل تم اپنے ذہن کو تیئس تاریخ کی رات میں لے جاؤ۔ رات دس بجے کے بعد تم کیا کررہے ہو؟"

اِس بار بھی روحیل خاموش رہا لیکن یک لخت ہوا کے ایک تیز جھونکے نے کھڑکیوں کو ہلاتے ہوئے اِس سکوت کو توڑ دیا۔ اقصیٰ تیزی سے کھڑکی بند کرنے لگی تو وہ تعجب میں آگئی۔ باہر ہوا کا نام و نشان تک نہ تھا لیکن اِس وقت اُس کے ذہن کا جھکاؤ مکمل طور پر روحیل کی طرف تھا۔ وہ کچھ محسوس نہیں کررہی تھی۔

وہ تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی روحیل کے قریب آئی اور اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھامتے ہوئے اپنے ذہن کی بھرپور قوت سے بولی۔ "تمہارا ذہن میری بات کو قبول کیوں نہیں کررہا۔ تم میری بات کا جواب کیوں نہیں دے رہے؟"

لیکن روحیل اُسی طرح خاموش لیٹا ہوا تھا۔ چند ساعتوں کے بعد اقصیٰ کو محسوس ہوا جیسے روحیل کی آنکھوں کے پپوٹے کانپ رہے ہیں اور ساتھ ساتھ اُس کی جلد بھی کھنچ رہی ہے۔ اقصیٰ نے غور کیا تو اُس کے دونوں کان عجیب و غریب انداز میں حرکت کرنے لگے۔ بالکل ایسے جیسے کوئی جنگلی جانور کسی دور کی آواز کو سننے کے لئے کانوں کو جنبش دیتا ہے۔ اقصیٰ اُس کی یہ عجیب حرکت دیکھ رہی تھی کہ یک لخت اُس کا کلینک ایک خوفناک گونج کے ساتھ ہل کر رہ گیا۔ زلزلے کے ایک خوفناک جھٹکے کی مانند کلینک کی ہر چیز الٹ پلٹ ہوگئی۔ اقصیٰ کے ہوش اڑ گئے۔ اُس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اُس نے اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھا اور حوصلہ کرکے روحیل کے نزدیک آئی۔

اِس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی' روحیل کے ہونٹوں میں جنبش سی ہوئی۔ یہ دیکھتے ہی اقصیٰ تیزی سے بولی۔ "تمہارا ذہن اس وقت تیئس تاریخ کی رات میں پہنچا ہوا ہے۔ بتاؤ کیا کررہے ہو؟"

کچھ دیر خاموشی کے بعد روحیل کے منہ سے انتہائی خوفناک اور گرج دار آواز

اُبھری۔ جس نے ایک بار اقصیٰ کو ہلا کے رکھ دیا۔

اُس کی گرج دار آواز پورے کلینک میں گونجنے لگی۔ "اِس رات میرے شکنجے میں اکرم ہے۔ جس کے خون سے میں اپنی پیاس بجھا رہا ہوں۔"

یہ سب کہتے ہی روحیل کی جسامت میں عجیب و غریب تبدیلیاں ہونا شروع ہوگئیں۔ اُس کی جلد سلیٹی رنگ کی کھردری پھٹکریوں میں تبدیل ہوگئی۔ اقصیٰ اپنی جگہ کھڑی کھڑی سُن ہوگئی۔ اُس کی آنکھیں باہر کو آگئیں۔ وہ اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے اُس کا دِل اُچھل کر اُس کے حلق میں آجائے گا۔ روحیل کا قد کاٹھ بھی ایکدم بڑھ گیا۔ اُس کے ہاتھ بڑھ کر انسانی ہاتھوں سے خوفناک پنجوں کی شکل اختیار کر گئے۔ یہی کیفیت اُس کے پیروں کی بھی ہوئی۔ جس سے وہ مکمل درندہ دکھائی دینے لگا۔

اقصیٰ کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ گھبراہٹ اور دہشت سے اُس کا دَم گھٹنے لگا۔ اُس کے پورے کلینک میں ایک عجیب سی گونج تھی جیسے کئی آسیبی طاقتیں اُس کلینک میں داخل ہو گئی ہوں۔ باہر ہوا کے نہ ہونے کے باوجود اقصیٰ کو ایک بھیانک طوفان کا سا احساس ہو رہا تھا۔ روحیل جو ایک خوفناک درندے کا روپ دھار چکا تھا۔ اُس کے پنجوں کے تیز دھار ناخن آہستہ آہستہ آپس میں رگڑ کھانے لگے۔

جس سے اقصیٰ کو یہ ظاہر ہوا کہ روحیل انسانیت کے لبادے سے باہر آکر کسی عجیب الخلقت مخلوق کا روپ دھار چکا ہے۔ اِس لئے اِس پر ہپناٹزم کا اثر نہیں رہا اور یہ غیرقدرتی نیند سے اُٹھنے والا ہے۔

اقصیٰ لمبے لمبے سانس لیتے ہوئے اُلٹے قدموں سے پیچھے کی طرف چلنے لگی۔ دہشت سے اُس کا پورا جسم کانپنے لگا۔ ٹانگوں میں جیسے چلنے کی بھی سکت نہ رہی۔

روحیل کی جلد' قد کاٹھ ہر چیز بدل چکی تھی لیکن اُس کے نقوش نہیں بدلے

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

تھے۔

اُس کی آنکھیں کھلنے کے لئے کانپ رہی تھیں۔ تھوڑی تھوڑی جنبش کے ساتھ اُس کے حلق سے خوفناک غراہٹ کی آوازیں اُبھر رہی تھیں۔

اقصیٰ کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے اُس کمرے کو کئی آسیبی طاقتوں نے اپنے گھیراؤ میں لے لیا ہو۔ کمرے کی ہر چیز تھرتھرا رہی تھی۔

روحیل کے سانس کی پھنکار پورے کلینک میں گونج رہی تھی۔ اُس کے جسم کی حرکات سے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ ہی دیر میں یک لخت کھڑا ہو جائے گا۔

اقصیٰ اپنے بے جان سے قدموں کو گھسیٹتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی۔ گھبراہٹ سے اُس کی سانس میں رکاوٹ ہو رہی تھی۔ اُس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے دروازے کا ہینڈل پکڑا تو اُس کے ہوش اُڑ گئے۔

دروازہ خودبخود لاک ہوچکا تھا۔ اقصیٰ نے یہ دیکھا تو وہ پاگلوں کی طرح دروازہ جھٹک جھٹک کے بے ساختہ چیخنے لگی۔ اقصیٰ تیزی سے دوسرے دروازے کی طرف بڑھی تو وہ دروازہ بھی لاک تھا۔ اقصیٰ نے بے بسی سے اردگرد دیکھا تو اُس کی آنکھوں کے سامنے ایک ایک کرکے تمام کھڑکیاں کھٹاک سے بند ہوگئیں۔

خوف اور دہشت سے اقصیٰ گھٹ گھٹ کے رونے لگی کہ ابھی روحیل اٹھا نہیں ہے تو ہر طرف اس کی آسیبی طاقتیں پھیلی ہوئی ہیں۔ جب یہ اٹھے گا تو کیا کرے گا۔ یہ سوچ کر اقصیٰ کی سانسیں بے ترتیب ہونے لگیں۔ وہ بار بار روحیل کی طرف دیکھتی اور پھر چاروں طرف نظردوڑاتی لیکن اُسے باہر جانے کا کوئی بھی راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اقصیٰ بالکل بے بس کھڑکیوں کو ٹٹولنے لگی کہ اچانک خوفناک گرج دار غراہٹ کی آواز پورے کلینک میں گونجنے لگی۔ اقصیٰ نے جھٹکے سے پلٹ کر دیکھا تو روحیل ایک خوفناک آسیب کے روپ میں اُس کے سامنے کھڑا تھا۔ اُس کی نگاہوں میں

انگارے دہک رہے تھے اور منہ سے ایک بھیانک درندے کی طرح آوازیں نکال رہا تھا۔

اقصیٰ پر سکتے کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ اُس کی پھٹی پھٹی نگاہیں روحیل کے چہرے پر جم گئیں۔ خوف اُس کے جسم میں اِس طرح سرایت کر گیا کہ وہ اپنی جگہ پر ہی منجمد ہو گئی۔ اُسے موت اتنی قریب دِکھائی دینے لگی کہ اُس میں کسی دفاع کی ہمت ہی نہ رہی۔ اُس کی قوتِ گویائی سلب ہو کر رہ گئی۔

انسانی خون کی خوشبو پر روحیل ایک بھیانک بلا کے روپ میں اقصیٰ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اقصیٰ پر دباؤ کی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ اُس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ نبضیں ڈوب رہی تھیں۔ ایک قدم بھی چلنے کی سکت نہیں تھی۔ وہ اکھڑے اکھڑے سانس لے رہی تھی۔ ایک دم کھٹاک سے کھڑکی کھلی اور ایک شاہین ہوا کو چیرتا ہوا اقصیٰ کی طرف بڑھا۔

شاہین اپنے پروں کو پھڑپھڑاتا برق سرعت سے اقصیٰ اور روحیل کے درمیان سے گزرا تو اُس کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ سے اُن دونوں کے بیچ آگ بھڑک اُٹھی۔ آگ بھڑکی تو روحیل کو ایک دھچکا سا لگا اور وہ چنگھاڑتا ہوا الٹے قدموں سے پیچھے کی طرف چلنے لگا۔ اِسی دوران دروازہ بھی خود بخود ٹھک سے کُھل گیا۔

اقصیٰ نے جب خود کو موت کے چنگل سے بچتے دیکھا تو حوصلے کی ایک لہر اُس کے پورے وجود میں دوڑ گئی۔

وہ تیزی سے اُس دروازے سے نکلی اور دوڑتی ہوئی اپنی گاڑی کی طرف بڑھی۔ اُس نے تیزی سے گاڑی اسٹارٹ کی اور اُسے ہوا میں اڑاتی ہوئی وہاں سے نکل گئی۔

اقصیٰ گھر پہنچی تو گاڑی کھڑی کر کے حویلی میں داخل ہوئی۔

زرقا نے ہیل کی تیز ٹک ٹک کی آواز سنی تو وہ گھبراتے ہوئے بولی۔ "یہ کون

اتنا تیز چل کر آرہا ہے۔ خیریت تو ہے۔"

تھوڑی ہی دیر کے بعد اقصیٰ کمرے میں داخل ہوئی اور صوفے پر ڈھیر ہو گئی۔

زرقا' رخسانہ اور ارسل تینوں گھبرا کر اُس کی طرف بڑھے۔

"کیا ہوا اقصیٰ! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" زرقا نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

اقصیٰ کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ نگاہیں سرخ ہو رہی تھیں۔ ارسل نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تو وہ بخار میں تپ رہی تھی۔

"تمہیں تو بہت تیز بخار ہے۔ صبح تو تم اچھی بھلی گئی تھیں۔ یہ اچانک تمہیں کیا ہو گیا ہے؟" لیکن اقصیٰ ارسل کی بلکہ کسی کی بھی کسی بات کا جواب نہیں دے رہی تھی۔ وہ چپ سادھے بیٹھی ہوئی تھی۔

زرقا نے ڈاکٹر کو فون کیا اور اقصیٰ کی طرف بڑھی۔ "چلو اٹھو' بیڈ پر لیٹو۔ بس ڈاکٹر صاحب آتے ہی ہوں گے۔"

اقصیٰ ڈھیلے ڈھیلے سے قدموں سے بیڈ کی طرف بڑھی اور چپ چاپ لیٹ گئی۔

ڈاکٹر آیا۔ اس نے اقصیٰ کو انجکشن اور کچھ میڈیسن دیں۔ ڈاکٹر کے جانے کے بعد زرقا اقصیٰ سے پوچھتی رہی کہ تمہارے ذہن پر کیا بوجھ ہے لیکن اقصیٰ بالکل خاموش تھی۔

"آنٹی! میں نے میڈیسن لے لی ہیں۔ میں جلد ٹھیک ہو جاؤں گی۔ معمولی بخار ہی تو ہے۔" اقصیٰ نے زرقا کو تسلی دی۔

"تم ایسا کرو۔ تھوڑی دیر آرام کرلو۔ ہم لوگ چلتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ تینوں کمرے سے باہر جانے لگے تو اقصیٰ نے ارسل کو پکارا۔

"ارسل! تم میرے پاس ہی رُک جاؤ۔ مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

ارسل وہیں رُک گیا اور آکر اقصیٰ کے قریب بیٹھ گیا۔ زرقا اور رخسانہ نے باہر جا کر دروازہ بند کر دیا۔ اقصیٰ نے اپنے کمرے کی بڑی لائٹیں بجھا کر ایک چھوٹی لائٹ

جلائی ہوئی تھی جس سے اُس کے کمرے میں مدھم سی سرخ روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

"اقصیٰ! میں محسوس کر رہا ہوں کہ تمہاری فرسٹریشن کوئی معمولی نہیں ہے۔ کوئی بہت بڑی بات ہے۔ جس سے تم سخت ذہنی تناؤ میں مبتلا ہو۔" ارسل نے اقصیٰ کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

"ارسل' جو کچھ میں نے آج دیکھا ہے' شکر کرو کہ مجھے صرف بخار ہی ہوا ہے۔ میرے دماغ کی رگیں نہیں پھٹ گئیں۔ تمہیں یاد ہے کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ میں ایک بہت بڑی آزمائش سے گزرنے والی ہوں۔ کچھ پوشیدہ مسئلوں کے الاؤ میں کودنے والی ہوں۔ مجھے تمہارا ساتھ چاہئے لیکن جب تم نے اُن مسئلوں کے بارے میں پوچھا تو میں نے تم سے کہا کہ فی الحال میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتی لیکن آج میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گی۔ ورنہ میرا دل و دماغ پھٹ جائے گا۔ یوں سمجھ لو کہ ہم دونوں کو مل کر اِس حویلی کے لوگوں کو ایک بہت بڑی ناگہانی آفت سے بچانا ہے۔

بیس سال پہلے جس آسیبی طاقت کا اِس حویلی پر حملہ ہوا تھا' وہ اپنی دوگنی طاقتوں کے ساتھ اب اِس حویلی میں داخل ہو چکی ہے۔

انکل زیب نے بیس سال پہلے ایک عورت سے نہیں' ایک ڈائن سے شادی کی تھی۔ جس کی آسیبی طاقتیں اور پُراسرار قوتیں دوگنا ہو کر اُس کے بیٹے میں آئی ہیں۔ وہ دِن میں تو انسان لیکن رات دس بجے کے بعد اُس خوفناک آسیب کا روپ دھار لیتا ہے جو آسیبی قوتوں کا حامل ہے۔ جانتے ہو اُس کا بیٹا کون ہے.......... روحیل۔"

یہ سب سن کر ارسل بیٹھا بیٹھا سُن ہو گیا۔ اُس کے کانوں میں جیسے سیٹیاں سی بجنے لگیں۔ اِس خوفناک حقیقت پر وہ کانپ اٹھا۔

"اقصیٰ! مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا۔ مجھے تو ان باتوں کے تصور سے

بھی خوف آ رہا ہے۔ تم نے ان بھیانک حقیقتوں کا سامنا کیسے کر لیا۔ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔ ہمارے گرد موت کے سائے منڈلاتے رہے اور ہمیں علم تک نہ ہوا۔"

ارسل کے تو جیسے ہوش ہی اڑے ہوئے تھے۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اُس نے اقصیٰ کی طرف دیکھا۔ "تم لڑکی ہو کے آسیبی طاقتوں سے ٹکر لے رہی ہو۔ اِس کی زد میں آ کر تم ایک ذرّے کی طرح پاش پاش بھی ہو سکتی ہو لیکن اپنوں کی چاہت کا درجہ نفع اور نقصان سے بہت اوپر ہوتا ہے۔ ہم چاہے اپنی جان پر کھیلیں' اِس گھر کے ہر فرد کو اُس عذاب سے بچانا ہے جو ایک عجیب الخلقت مخلوق کے روپ میں تباہی پھیلانے والا ہے۔"

ارسل کی یہ بات سن کر اقصیٰ کا حوصلہ بلند ہو گیا۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "میں جانتی ہوں کہ اِن آسیبی طاقتوں کی زد میں ہم پاش پاش بھی ہو سکتے ہیں لیکن اتنا ضرور کہوں گی کہ انسان کو خدا نے جو رُوحانی اور ذہنی طاقتیں بخشی ہیں ان سے وہ کئی غیبی طاقتوں کو مات دے سکتا ہے۔ بس ضرورت صرف اِس امر کی ہے کہ اُس میں یکسوئی' قوتِ ارادی اور قوتِ فیصلہ ہو۔

"ارسل تمہارا کام یہ ہے کہ تم نے روحیل پر مکمل نظر رکھنی ہے۔ میں بھی اب اُس وقت تک کلینک جوائن نہیں کروں گی جب تک ہماری یہ آزمائش ختم نہیں ہو جاتی۔ میں گھر پر روحیل پر مکمل نظر رکھوں گی۔ کل تک میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔ تم میرے ساتھ کلینک جانا۔ ہپناٹزم کے دوران روحیل نے جو کچھ کہا۔ وہ سب ایک کیسٹ میں ہے۔"

یہ بات کرتے ہی اقصیٰ نے آنکھیں بند کر کے اپنا سر پکڑ لیا۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے وہ سارا منظر دوبارہ آ گیا جس کی دہشت سے اُسے بخار چڑھا تھا۔ وہ سر درد سے کراہنے لگی تو ارسل نے فوراً اُس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"اقصیٰ تم اِس وقت بخار میں ہو۔ تم نے جو کچھ بھی دیکھا اُسے بھول جاؤ۔

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

"اِس وقت کچھ نہ سوچو۔ اپنے ذہن کو سکون دو۔"

ارسل کی بات پر اقصیٰ نے اپنی آنکھیں بند کیں اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔

ارسل اقصیٰ کے کمرے سے باہر آگیا۔ ارسل اقصیٰ کو سمجھا رہا تھا جبکہ وہ خود شدید ذہنی تناؤ کا شکار ہوگیا۔ ہنسنا کھیلنا اُس کی عادت میں شامل تھا جبکہ وہ ہر معاملے کو انتہائی سنجیدگی سے لیتا تھا۔ وہ انتہائی سادہ لوح اور مخلص تھا۔ اقصیٰ کی باتیں سن کر وہ اتنا پریشان ہوگیا کہ یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ کبھی مسکرایا ہی نہ ہو۔ اس کے چہرے پر انتہائی سنجیدگی چھاگئی۔

زرقا نے ارسل کو خلافِ توقع اِس طرح پریشان دیکھا تو وہ سنجیدگی سے بولی۔

"کیا ہوا ارسل! تمہارے چہرے پر اتنی پریشانی کیوں چھائی ہوئی ہے۔ میں نے تو تمہیں کبھی پریشان نہیں دیکھا۔ مجھے تو گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ پتہ نہیں تم اور اقصیٰ مل کر کیا کھچڑی پکا رہے ہو۔ وہ بھی پریشان ہے۔ اُدھر روحیل صبح سے پتہ نہیں کہاں غائب ہے۔"

"آپ پریشان نہ ہوں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے اور رہی روحیل کی بات، آپ اُس کے لئے پریشان نہ ہوا کریں۔ وہ انتہائی لاپرواہ ہے۔ بغیر بتائے پتہ نہیں کہاں کہاں چلا جاتا ہے۔ آپ پریشان نہ ہوا کریں۔" ارسل نے زرقا کو سمجھایا۔

☆=========☆=========☆

رات کے نو بج گئے لیکن روحیل گھر نہیں آیا۔ زرقا کا پریشانی سے بُرا حال ہوگیا۔ اقصیٰ اب بالکل ٹھیک ہوچکی تھی لیکن زیادہ تر وقت وہ اپنے کمرے میں ہی گزارتی تھی۔ اقصیٰ ٹی وی لاؤنج میں آئی تو زرقا پریشان بیٹھی ہوئی تھی۔ اقصیٰ اور ارسل خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گئے۔ جب دس بج گئے تو اقصیٰ نے ارسل کی طرف دیکھا اور سرگوشی کے انداز میں بولی۔ "وہ اب نہیں آئے گا۔"

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

زرقا غصے سے ارسل سے مخاطب ہوئی۔ "تم اُسے جاکر ڈھونڈتے کیوں نہیں۔"

ارسل نے ایک دم اپنے سر پر اپنا ہاتھ رکھ لیا۔

"اوہ میرے خدایا۔ میری یادداشت اتنی کمزور ہوگئی ہے۔ روحیل کے دوست کا فون آیا تھا کہ ہمیں ایک بہت ضروری کام ہے۔ اِس لئے رات روحیل گھر نہیں آسکے گا۔"

زرقا نے جب یہ سنا تو وہ ڈانٹ کر بولی۔ "مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اتنے بیوقوف ہو۔ مجھے اتنا پریشان دیکھ کر بھی تمہیں یاد نہیں آیا۔"

ارسل کو مجبوری کے اِس جھوٹ پر کافی ڈانٹ پڑی۔ زرقا مطمئن ہوکر سوگئی۔ مگر اقصیٰ اور ارسل رات گئے تک باتیں کرتے رہے۔ جب کافی رات گزر گئی تو اقصیٰ اپنے کمرے میں سونے چلی گئی اور ارسل اپنے کمرے میں۔

پوری حویلی میں ایک خوفناک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ زرقا اپنے کمرے میں پُرسکون نیند سو رہی تھی کہ یک لخت اُس کا دِل گھبرایا اور بے چینی سے اُس کی آنکھ کھل گئی۔ فجر کا وقت قریب تھا۔ صبح ہونے والی تھی۔ بادل بہت زور زور سے گرج رہے تھے بادلوں کی گرج کے ساتھ ایک خوفناک بجلی بار بار چمک کر حویلی کے سارے کمروں کو روشن کردیتی۔

اِس خوفناک گرج چمک سے زرقا کی نیند اڑ چکی تھی۔ زرقا سیدھی لیٹی ہوئی تھی کہ اچانک اُسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی سیاہ سی چیز اُس کی چارپائی کے پاس سے گزری ہے۔ اُس نے سیدھے لیٹے لیٹے ہی اپنی نگاہوں کو ترچھا کرتے ہوئے دیکھا تو اُس نے خوف سے ایک جھرجھری لی۔ ایک سیاہ بلی اُس کی چارپائی کے گرد چکر کاٹ رہی تھی۔

زرقا کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ اُسے وہم سا ہوگیا کہ یہ بلی کوئی جانور

نہیں ہے۔ وہ دہشت سے جیسے پتھرا سی ہوگئی لیکن لیٹنے کے انداز میں اُس کا خوف بڑھ گیا۔ وہ ڈرے ڈرے انداز میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔ چارپائی کے گرد بلی کو نہ دیکھ کر زرقا نے اطمینان کا ایک لمبا سانس کھینچا لیکن جونہی اُس نے سامنے کی طرف دیکھا تو وہ دیکھتی ہی رہ گئی۔ وہ سیاہ گھنے بالوں والی خوفناک بلی اُس کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ اپنی آنکھوں کی خوفناک چمک سے وہ انتہائی بھیانک لگ رہی تھی۔ آسمانی بجلی کے تیز لشکارے میں وہ مزید نمایاں ہوتی۔

زرقا پھٹی پھٹی نگاہوں سے اُس بلی کی طرف دیکھ رہی تھی کہ یکایک اُس کی نظروں کے سامنے وہ بلی ایک انتہائی بدہیت عورت کا روپ دھار گئی۔ ایک ڈائن کا' جس کی خوفناک شکل و شباہت نے زرقا کو سن کرکے رکھ دیا۔ زرقا ایک دم سے جیسے ٹھنڈی پڑ گئی۔

اُس خوفناک عورت نے اپنے دونوں بازو سامنے کی طرف پھیلائے تو اُس کی گود میں بالوں سے بھری جلد کا ایک جانور نما بچہ آگیا۔

اُس بھیانک بچے کو دیکھ کر زرقا کانپ اٹھی۔ اُس کی بے اختیار چیخ نکل گئی۔

وہ خوفناک عورت اُس بچے کو لے کر زرقا کی طرف بڑھنے لگی۔ پھر زرقا کے قریب جاکر اُس نے وہ خوفناک بچہ زرقا کی گود میں ڈال دیا۔

زرقا دہشت سے تھر تھر کانپنے لگی۔ وہ اونچی اونچی آواز میں چیخنے لگی۔ اُس بھیانک بچے کی خوفناک شکل زرقا کے سامنے تھی۔ جس کے لمبے لمبے دانتوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ زرقا کی سانس اُس کے سینے میں ہی اٹک گئی۔ اُس پر دباؤ کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ وہ اپنی مرضی سے اپنے جسم کا کوئی حصہ نہیں ہلا سکتی تھی۔ اُس کے بازو سامنے کی طرف اکڑ گئے۔ وہ بے بس ہوکر منہ سے آوازیں نکالنے لگی۔

یک لخت کسی نے اُسے بُری طرح جھنجھوڑا۔ اس کے ساتھ ہی اُس پر سے دباؤ کی کیفیت ختم ہوگئی اور وہ بھیانک بچہ اور خوفناک عورت یک لخت غائب ہوگئی۔

زرقا اپنی نارمل حالت میں آئی تو روحیل اُس کے پاس اُس کے کندھوں پر ہاتھ رکھے بیٹھا ہوا تھا۔ زرقا نے روحیل کو دیکھا تو وہ بے اختیار اُس کے سینے سے لگ کر رونے لگی۔

زرقا کی چیخ پر اقصیٰ بھی اپنے کمرے سے نکل چکی تھی۔ اقصیٰ تیزی سے کمرے میں داخل ہوئی تو زرقا روحیل کا ہاتھ تھامے بیٹھی ہوئی تھی۔

''کیا ہوا آنٹی! میں نے آپ کی چیخ کی آواز سنی تھی۔ آپ ٹھیک تو ہیں نا۔'' اقصیٰ نے سہمے ہوئے انداز سے روحیل کی طرف دیکھا۔

''بس بیٹی! جو کچھ میں نے آج دیکھا ہے۔ میں اپنی زبان سے ادا نہیں کرسکتی۔ تم مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔ ورنہ وہ بدہیت چہرے میری آنکھوں کے سامنے آجائیں گے۔'' زرقا نے اپنا سر پکڑ لیا۔

''اچھا چلیں نہ بتائیں۔ میں آپ کے پاس بیٹھتی ہوں۔ آپ سونے کی کوشش کریں۔ اپنے ذہن کو بالکل فریش کرلیں۔'' یہ کہہ کر اقصیٰ بہت پیار سے زرقا کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگی۔

''روحیل بیٹے! تم جاؤ اپنے کمرے میں جاکر سو جاؤ۔ اقصیٰ ہے میرے پاس۔'' زرقا نے روحیل سے کہا۔ روحیل خاموشی سے وہاں سے چلا گیا۔

''آنٹی اگر آپ کچھ نہیں بتائیں گی نا تو آپ کے ذہن سے بوجھ کم نہیں ہوگا۔ آپ پلیز مجھے بتائیں کہ ایسی کیا چیز دیکھی ہے آپ نے۔ مجھے بتانے سے آپ کے ذہن کا خوف کافی حد تک کم ہوجائے گا۔'' اقصیٰ نے زرقا کو سمجھایا۔

زرقا نے ساری بات اقصیٰ کو بتا دی۔ یہ بات سن کر اقصیٰ اتنی پریشان ہوئی کہ اُس کی زبان پر انتہائی خاموشی چھا گئی۔ کافی دیر چپ رہنے کے بعد اُس نے زرقا کو سمجھایا۔

''آنٹی! آپ میری بات حوصلے سے سننا۔ کافی دنوں سے اِس حویلی میں اِس

قسم کے واقعات ہو رہے ہیں۔ میں اور ارسل بہت پریشان ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم اِس معاملے میں کسی بزرگ کی رہنمائی حاصل کرلیں!"

"اقصیٰ، یہ تم کیسی باتیں کررہی ہو۔ میرے دِل میں تو ہول اٹھ رہے ہیں۔ تم مجھے کھل کر بتاؤ۔" زرقا ایک دم گھبرا گئی۔

"آنٹی! فی الحال میں آپ کو کچھ نہیں بتاسکتی۔ بس اگر آپ اِس گھر کو تباہی سے بچانا چاہتی ہیں تو کسی ایسے بزرگ سے رابطہ کریں جو اپنی روحانی طاقتوں سے آسیبی طاقتوں کا مقابلہ کرسکے۔"

"اقصیٰ! خدا کے لئے تم مجھے بتاؤ کہ تم مجھ سے کیا چھپا رہی ہو۔ میرا تو دِل ڈوب رہا ہے۔"

"آنٹی! آپ پلیز حوصلہ کریں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ دو تین دِن تک آپ کو سب کچھ بتادوں گی۔ بس اب آپ نے کچھ نہیں سوچنا۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تو ویسے ہی احتیاطاً بات کررہی تھی۔ دراصل اکرم کی موت نے مجھے خوفزدہ کردیا تھا۔ میں تب سے ایسی باتیں کرنے لگ گئی۔" اقصیٰ نے زرقا کی حالت دیکھ کر اپنی بات کو فوراً بدل دیا۔

کچھ دیر کے بعد اقصیٰ وہیں زرقا کے کمرے میں ہی سوگئی۔ اقصیٰ نے لاکھ بات گول کرنے کی کوشش کی لیکن زرقا ایک عمر رسیدہ عورت تھی۔ جو واقعہ اُس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اُس سے وہ اِس حد تک خوفزدہ ہو کے رہ گئی تھی کہ اُس بھیانک عورت اور اُس خوفناک بچے کا چہرہ زرقا کی آنکھوں سے ایک پل کے لئے اوجھل نہیں ہورہا تھا۔ اوپر سے اُس نے اقصیٰ کی بات سنی تو کئی وسوسوں نے اُس کے دِل میں جگہ بنالی۔ اُس نے فیصلہ کرلیا کہ وہ کسی بڑے بزرگ کو ایک بار اپنا گھر ضرور دکھائے گی۔

☆=====☆=====☆

صبح سب ناشتے پر اکٹھے بیٹھے تو انتہائی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ سب سر جھکائے چپ چاپ ناشتہ کررہے تھے۔ جیسے ہر ایک کسی نہ کسی مسئلے میں الجھا ہوا ہو۔ روحیل نے اقصیٰ اور ارسل کی طرف دیکھا کہ شاید وہ دونوں اُس سے کوئی بات کریں لیکن وہ دونوں اُس کی طرف دیکھ بھی نہ رہے تھے۔ روحیل نے دو تین بار اُن کی طرف دیکھا اور پھر ناشتہ کرنے لگ گیا۔ ناشتہ کرکے اقصیٰ کلینک جانے لگی تو اُس نے ارسل سے کہا۔ "ارسل آج تم میرے ساتھ چلو۔"

ارسل جیسے پہلے ہی سے تیار تھا۔ جھٹ سے کھڑا ہوگیا۔ وہ دونوں کلینک چلے گئے۔

روحیل سر جھکائے کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر ایک دم سے کھڑا ہوگیا۔

"امی میں بھی چلتا ہوں۔ مجھے بھی کچھ کام ہے۔"

یہ کہہ کر روحیل نے اپنی جیب سے اپنی گاڑی کی چابی نکالی جو لان کے قریب کھڑی تھی۔ وہ کمرے سے باہر نکل کر لان کی طرف چل دیا اور گاڑی سٹارٹ کر کے اُن دونوں یعنی اقصیٰ اور ارسل کے پیچھے چل دیا۔

کچھ فاصلے پر جانے کے بعد روحیل نے اپنی گاڑی ایک درخت کے نیچے کھڑی کردی اور اپنی گاڑی سے باہر نکل کر اُن دونوں کی گاڑی کو دیکھنے لگا۔ جب اُن کی گاڑی اُس کی نظر سے اوجھل ہوگئی تو روحیل گاڑی سے پیٹھ لگائے چپ چاپ کھڑا ہوگیا۔ اُس کی غرض اُن کا تعاقب کرنا نہیں تھا بلکہ اُن کے ساتھ کلینک جانا تھا۔ کافی دیر تک روحیل ایسے ہی خاموش کھڑا رہا۔ پھر وہ اپنی گاڑی میں بیٹھا اور اُس راستے کی طرف چل دیا جو کلینک کی طرف جاتا تھا۔

روحیل کلینک کے قریب پہنچا تو اُس نے ایک طرف اپنی گاڑی کھڑی کی اور کلینک کے دروازے کی طرف بڑھا وہ کلینک میں داخل ہوا۔ مریضوں کے بیٹھنے کے لئے ایک وسیع کمرے کے بعد اقصیٰ کا کمرہ تھا۔ روحیل اُس کمرے کے دروازے کی

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

طرف بڑھا۔ اِس سے پہلے کہ وہ دروازہ کھولتا اُس کے قدم وہیں رُک گئے۔ اندر ٹیپ میں ایک کیسٹ چل رہی تھی۔ جس میں اقصیٰ کا ہپناٹزم کا وہ عمل جو اُس نے روحیل پر کیا تھا' ریکارڈ تھا۔ روحیل وہیں ٹھٹک گیا۔

روحیل حیرت سے اقصیٰ کے کئے ہوئے سوال اور اپنی زبان سے دیئے گئے جواب سن رہا تھا۔

اپنی ہی زبان سے کہی ہوئی تلخ حقیقتیں سن کر وہ ایسا ہوگیا جیسے اُس کے سینے میں کسی نے خنجر گھونپ دیا ہو۔

ارسل اور اقصیٰ اندر بیٹھے یہ آوازیں سن رہے تھے۔ پھر ٹیپ میں کافی دیر کے لئے خاموشی ہوگئی۔ بس اقصیٰ کی آواز بار بار آرہی تھی جو روحیل کو بولنے کے لئے مجبور کررہی تھی۔ پھر کچھ دیر کے بعد روحیل کی آواز ایک خوفناک آواز میں بدل گئی۔ جس میں اُس نے اپنے آپ کو ایک ایسے خوفناک آسیب ہونے کا اقرار کیا تھا جو رات کی تاریکی میں معصوم لوگوں کا خون چوس لیتا ہے اور ان کے سینوں سے اُن کا دِل نکل لیتا ہے۔ پھر کچھ دیر کے بعد اُس کی خوفناک دھاڑیں پورے کمرے میں گونجنے لگیں۔

یہ سب سُن کر روحیل کے اوپر سے ایک قیامت گزر گئی۔ اُس کی نگاہوں سے شعلے برسنے لگے۔ جیسے اُن میں ایک الاؤ سا جل گیا ہو۔ جذبات کی شدت سے اُس کے پورے وجود میں تھرتھراہٹ پیدا ہو گئی۔ اسے اپنے وجود سے شدید نفرت ہو رہی تھی۔ وہ آج سب سمجھ گیا تھا کہ کیوں وہ خود کو نامکمل انسان محسوس کرتا ہے۔ اُس میں غیر معمولی طاقتیں اور تغیرات جو اُسے ذہنی طور پر الجھا دیتی تھیں' اب بہت سی شیطانی طاقتوں کے ساتھ اُس کے سامنے آئی تھیں۔

وہ اِس تلخ حقیقت سے آشنا ہوگیا کہ وہ ایک وجود میں دو روپ رکھنے والا ایک خوفناک آسیب ہے۔

اندر ارسل اِن خوفناک آوازوں پر سُن ہو کر رہ گیا۔ کیسٹ سننے پر کپکپاہٹ کی ایک سرد لہر اُس کے پورے جسم میں دوڑ گئی۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اقصیٰ کی طرف دیکھنے لگا۔

"اقصیٰ! مجھے آج اندازہ ہوا ہے کہ تم کتنی بہادر ہو۔ تم نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے کیسے دیکھ لیا۔ اتنا حوصلہ کیسے آگیا تم میں؟"

"نہیں ارسل! میں بہادر نہیں ہوں۔ اُس روز جو میرا حال ہوا تھا۔ میں بیان نہیں کرسکتی لیکن ہم اپنی جان ہتھیلی پر لے کر ایک عزم لئے نکلے ہیں۔" یہ کہہ کر اقصیٰ نے کیسٹ ٹیپ سے نکالی اور جانے کی تیاری کرنے لگ گئی۔ اقصیٰ اور ارسل نے کلینک بند کیا۔ وہ کلینک سے باہر نکلنے لگے تو اقصیٰ کی جوتی کے نیچے کوئی سخت سی چیز آئی۔ اقصیٰ نے اپنا پاؤں پیچھے کیا تو ایک سونے کی بریسلیٹ گری ہوئی تھی۔ اقصیٰ نے جھک کر وہ بریسلیٹ اٹھائی تو وہ ایک دم پریشان ہوگئی۔ وہ بریسلیٹ روحیل کی تھی۔

اُس نے پریشان کن نظروں سے ارسل کی طرف دیکھا۔ "ارسل یہ بریسلیٹ پہچانتے ہو۔"

"ہاں' یہ روحیل کی ہے۔ اِس کا مطلب ہے یہ ہے کہ روحیل یہاں آیا تھا۔"

"وہ ہم سے ملے بغیر چلا گیا۔ یقیناً اس نے کیسٹ سن لی ہے۔ اوہ میرے خدایا۔ نہ جانے اِس کا ردِعمل کیا ہوگا۔ چلو جلدی کرو۔ ہمیں جلد گھر پہنچنا ہے۔" اقصیٰ نے گھبراہٹ میں ارسل سے کہا اور وہ دونوں تیزی سے گاڑی میں وہاں سے نکلے۔

وہ دونوں گھر پہنچے۔ تو زرقا حسبِ معمول ملازمین سے کام کروا رہی تھی۔ اقصیٰ زرقا کی طرف بڑھی تو زرقا نے حیرت سے پوچھا۔ "اتنی جلدی آگئی بیٹے سے خیریت تو ہے؟"

"آنٹی' میں تو کلینک صرف ایک کام کے لیے گئی تھی۔ ورنہ میں کچھ [illegible]

کلینک نہیں جانا چاہتی تھی۔ کچھ روز گھر پر ہی رہوں گی۔ وہ آپ یہ بتائیں کہ روحیل گھر آیا ہے؟" اقصیٰ نے تیز تیز بات کرتے ہوئے جلدی سے پوچھا۔

"ہاں! تم لوگوں کے آنے سے تھوڑی دیر پہلے آیا ہے۔ پتہ نہیں کیوں اُس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ کسی سے کوئی بات نہیں کی۔ چپ چاپ اپنے کمرے میں چلا گیا۔"

"میں پوچھتی اُس سے۔" زرقا نے سنجیدگی سے کہا۔ یہ کہہ کر اقصیٰ روحیل کے کمرے کی طرف چل دی۔ ارسل بھی اقصیٰ کے ساتھ چل دیا لیکن وہ اُس کے ساتھ اِس وقت روحیل کے سامنے جانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اُس کے کمرے کی کھڑکی کے عقب میں کھڑا ہو گیا۔

اقصیٰ روحیل کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ وزراز میں کچھ رکھ رہا تھا۔ اقصیٰ اُس کے قریب آئی تو اُس نے اقصیٰ کی طرف پھیکی سی مسکراہٹ سے دیکھا اور اُس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

اقصیٰ نے اُس کی طرف دیکھا۔ "آنٹی کہہ رہی تھیں کہ تم نے کسی سے کوئی بات نہیں کی اور چپ چاپ اپنے کمرے میں آ گئے۔ کیا ہوا ہے۔ کیا پریشانی ہے تمہیں؟" اقصیٰ کے اِس سوال پر روحیل نے اپنی نگاہیں یکسر جھکالیں۔

"کیا ہوا ہے روحیل! آج تم بہت زیادہ پریشان لگ رہے ہو۔"

اقصیٰ کے سوال پر بھی روحیل اُسی کیفیت میں کھڑا رہا۔

روحیل نے آج وہی پینٹ شرٹ زیب تن کی ہوئی تھی جس میں وہ پہلی بار حویلی میں داخل ہوا تھا۔

اقصیٰ نے سنجیدگی سے روحیل کی طرف دیکھا۔ "کیا ہوا ہے روحیل! مجھ سے کوئی بات تو کرو۔"

اقصیٰ کی بات پر روحیل نے نظریں اوپر اٹھائیں تو اُس کی آنکھیں بھیگ کر دہکتے انگاروں کی طرح سلگ رہی تھیں۔ آج پہلی بار اقصیٰ روحیل کے اندر کے

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

حساس انسان کو دیکھ رہی تھی۔

روحیل کے تاثرات سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اُس کے اندر غموں کا ایک الاؤ جل رہا ہے۔

اِس سے پہلے کہ اقصیٰ کچھ کہتی، روحیل نے اقصیٰ کی طرف دیکھا اور گلوگیر آواز میں بولا۔ "اقصیٰ، تم بہت اچھی سائیکالوجسٹ ہو۔ انسان کو بہت اچھا ہپناٹائز کر لیتی ہو۔ تمہارے ایک بہت بڑے کارنامے پر تمہیں بہت بہت مبارکباد دیتا ہوں۔ تم نے ایک انسان میں ایک چھپا ہوا آسیب ڈھونڈ لیا ہے۔" یہ الفاظ کہتے ہوئے روحیل کی آنکھوں سے آنسو چھلک کے اُس کا چہرہ بھگونے لگے۔

اُس نے اپنے دائیں بازو سے اپنے آنسو صاف کیے اور اقصیٰ کی طرف دیکھنے لگا۔ "میں جس لباس میں یہاں آیا تھا۔ اُسی میں واپس جا رہا ہوں۔ مجھے جو کچھ ماں نے دیا۔ وہ سب چھوڑے جا رہا ہوں۔ میں اِن چیزوں کے لائق نہیں ہوں۔ آپ لوگوں کے بیچ آ کر میں نے بہت سی محبتوں کو محسوس کیا ہے لیکن اب میرے دِل میں میری اپنی ذات کے لیے نفرت اتنی زیادہ ہے کہ یہ دِل اب محبت جیسے خوبصورت احساس کے قابل نہیں رہا۔ میں اپنے گناہوں کا کفارہ تو ادا نہیں کر سکتا۔ بس اتنا ہی کر سکتا ہوں کہ اپنے آپ کو آپ کی اِس دنیا سے دور کر لوں۔"

روحیل کی باتیں سن کر اقصیٰ اندر سے کانپ کے رہ گئی اُس کی نگاہیں نم ہو گئیں۔ وہ انتہائی خلوص سے بولی۔ "روحیل! تم کہیں نہیں جاؤ گے۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ یہ تلخ حقیقت جاننے کے بعد ہمارا رشتہ تم سے ٹوٹ گیا ہے۔ تم ہم سب گھر والوں کی زندگی کا ایک حصہ ہو۔ تمہارا اصل روپ جاننے کے بعد اِس بات کو میں نے اور ارسل نے باقی گھر والوں سے کیوں چھپایا؟ کیا تم نے یہ نہیں سوچا؟ اِس کی وجہ یہ ہے کہ میں اور ارسل تمہیں اِس کرب سے اور گھر والوں کو اِس ناگہانی آفت کے اثرات سے بچانا چاہتے تھے۔ ہم دونوں کو اپنی جان کی پرواہ نہیں بس ہم اپنے

مقصد میں کسی طرح سے کامیاب ہوجائیں۔ میں جانتی ہوں کہ آسیبی طاقتیں کتنی خطرناک اور دہشت ناک ہوتی ہیں لیکن اگر انسان کا ایمان پختہ اور خدا پر بھروسہ ہو تو خدا خود وہ راستے دے دیتا ہے جو ہماری منزل کا تعین کرتے ہیں۔"

"اقصیٰ! مجھے جانے دو۔ تم لوگ اِس آگ میں نہ کودو۔ میرے چلے جانے سے اُن آسیبی طاقتوں کا رخ بدل جائے گا جو مختلف روپ دھارے اِس حویلی کو اپنے حصار میں لینے والی ہیں۔"

"روحیل! تم ہمیں صرف ایک موقع دو........... صرف ایک موقع۔ اُس کے بعد ہمیں تمہارا ہر فیصلہ منظور ہوگا۔ میں نے پتہ کروایا ہے۔ ایک بہت بڑے بزرگ ہیں' بابا واسی شاہ۔ اُن کا ذہن پُراسرار علوم اور روحانی طاقتوں کا منبع ہے۔ وہ ایسے علوم جانتے ہیں کہ آسیب اُن کے اسیر ہوجاتے ہیں۔ اپنی روحانی طاقتوں سے وہ شیطانی طاقتوں کو مات دے دیتے ہیں۔ بس روحیل' تمہیں ہمارے ساتھ تعاون کرنا ہوگا۔ ہوسکتا ہے وہ کوئی ایسی صورت نکال لیں جس سے تمہارا آسیبی روپ ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائے اور تم ایک نارمل زندگی گزار سکو۔"

"اقصیٰ! یہ بات جتنی ناممکن ہے اتنی ہی خطرناک بھی ہے۔ ناممکن اِس لیے کہ میری ماں کو یہ بات طیش دلا دے گی اور تم اُس کے اصل روپ کا سامنا تک نہیں کرسکتے۔"

"روحیل! اُس کا سامنا ہم نے نہیں کرنا۔ بابا واسی شاہ نے کرنا ہے۔ وہ ایسے عمل جانتے ہیں جس سے تمہاری ماں کی شیطانی طاقت ہم پر اثر انداز نہیں ہوگی۔ میں تمہیں اِس بات کا یقین دلاتی ہوں۔ بس تم ایک بار میری بات مان لو۔ ہر شیطانی حربے کا توڑ نوری اور روحانی علوم سے کیا جاسکتا ہے۔"

اقصیٰ نے روحیل کو بہت مشکل سے منایا۔ روحیل بابا واسی شاہ کی قابلیت پر بھروسہ کرتے ہوئے تیار ہوگیا۔

☆==========☆==========☆

اگلے روز ارسل اور اقصیٰ گھر سے کلینک کا کہہ کر ملتان روانہ ہوگئے۔ ایک عورت کی رہنمائی سے وہ بابا واسی شاہ کی حویلی تک پہنچے جو ایک پرانا کھنڈر تھی۔ اُس حویلی کے باہر لوگوں کا ایک ہجوم اکٹھا تھا۔ وہ اُس ہجوم سے گزرتے ہوئے حویلی کے اندر داخل ہوئے تو وہاں بھی لوگوں کی ایک لمبی قطار تھی۔ بابا واسی شاہ الگ ایک اندھیرے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔

جس عورت کی رہنمائی میں وہ دونوں اِس حویلی تک پہنچے تھے۔ وہ عورت پہلے سے ہی بابا واسی شاہ کو اُن دونوں کے بارے میں بتاچکی تھی۔ حویلی میں مریدوں کا ایک ہجوم تھا لیکن بابا واسی شاہ نے اقصیٰ اور ارسل کو اندر بلایا۔

وہ دونوں اندر داخل ہوئے تو انہیں ایک عجیب سا خوف محسوس ہوا۔ وہ ایک بہت بڑا ہال نما کمرہ تھا۔ جس میں کوئی روشندان اور کھڑکی نہیں تھی۔ وہ کمرہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اُس خالی اور تاریک کمرے کے وسط میں کچھ موم بتیاں روشن تھیں جہاں بابا واسی شاہ سر جھکائے بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن کے لمبے لمبے بال زمین کی طرف لٹکے ہوئے تھے۔

اقصیٰ اور ارسل اُن کے قریب بیٹھے تو انہوں نے سر اٹھاکر اُن دونوں کی طرف دیکھا۔

اقصیٰ نے بابا واسی شاہ کو ساری بات بتائی۔ اقصیٰ کی بات سن کر بابا واسی شاہ تھوڑی دیر کے لیے گہری سوچ میں پڑگئے اور پھر دھیمے سے انداز میں کہنے لگے۔ "یہ بات جو تم بتارہی ہو' ایک حیرتناک معمہ ہے۔ انسان اور آسیب کے ملاپ سے پیدا ہونے والی وہ صورتِ حال ہے جسے قابو کرنا انتہائی مشکل کام ہے لیکن انسان تمام مخلوقات سے افضل ہے۔ ہمت کرے تو اِن ہوائی مخلوقات کو مات دے سکتا ہے۔ قرآن پاک سے اخذ کیے ہوئے نوری علم میں اُن تمام مشکلات کا توڑ ہے جو اِن مافوق

الفطرت مخلوقات کے زیرِ اثر انسان کو پیش آتی ہیں۔ میں کل رات کے سات بجے تمہاری حویلی میں آؤں گا۔ تم نے یہ سب روحیل کی ماں سے چھپا کر اچھا نہیں کیا۔ اب جاؤ گی تو اُسے سب کچھ سمجھا دینا۔ کسی قسم کی بھی خوفناک صورتِ حال اُن کے سامنے آسکتی ہے۔" یہ کہہ کر بابا واسی شاہ نے اپنا سر جھکا لیا اور ورد کرنے لگے۔

اقصیٰ اور ارسل وہاں سے اُٹھے اور الٹے قدموں سے چلتے ہوئے کمرے سے باہر آگئے۔

☆=========☆=========☆

اقصیٰ اور ارسل سارے راستے اِسی کشمکش میں رہے کہ زرقا کو یہ سب کچھ کیسے بتایا جائے۔ اِسی الجھن میں وہ گھر پہنچے تو دن ڈھل چکا تھا۔ رات کے سات بجے ہوئے تھے۔ وہ بہت تھک چکے تھے۔ وہ ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے کمرے میں داخل ہوئے اور صوفے پر ڈھیر ہوگئے۔ زرقا کمرے میں داخل ہوئی تو اُس نے خفگی سے اُن دونوں کی طرف دیکھا۔

"تم لوگ کچھ زیادہ لاپرواہ نہیں ہوگئے۔ صبح سے اب آئے ہو۔ کلینک سے کوئی فون تک نہیں کیا۔ اور تو اور کوئی فون بھی نہیں اٹھایا۔"

"آنٹی ہمارا تو فون ہی خراب ہے۔ باقی ہم کسی کیس میں الجھے ہوئے تھے۔ آپ خواہ مخواہ پریشان ہوگئیں۔" ارسل کہہ رہا تھا۔ جبکہ اقصیٰ بالکل خاموش سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔

"اقصیٰ! تم کچھ نہیں کہو گی؟" زرقا نے موڈ ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ سر میں شدید درد ہورہا ہے۔ میں ذرا چینج کرلوں۔" اقصیٰ شدید ذہنی تناؤ محسوس کررہی تھی۔ وہ ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے وہاں سے اُٹھی اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔

زرقا نے تعجب سے ارسل کی طرف دیکھا۔ "کیا ہوا ہے اقصیٰ کو؟"

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

"کچھ نہیں ہوا ہے اُسے۔ بس تھک گئی ہے۔" ارسل نے بات گول کردی۔

کچھ دیر کے بعد زرقا نے کھانا میز پر لگوادیا۔ سب گھر والوں نے مل کر کھانا کھایا۔

جب رات کے نو بجے تو سب اپنے اپنے کمرں میں چلے گئے۔

زرقا حویلی کے دروازے وغیرہ چیک کررہی تھی کہ اُسے اقصیٰ نے پکارا۔

"آنٹی!"

زرقا نے پلٹ کر دیکھا۔ "کیا بات ہے بیٹی!"

"آنٹی! آپ میرے ساتھ میرے کمرے میں آئیں۔ مجھے آپ سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے۔"

"ایسی کیا بات ہے بیٹی!" زرقا نے اقصیٰ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس آنٹی! آپ میرے ساتھ میرے کمرے میں آئیں۔"

"اچھا بھئی ذرا یہ مین گیٹ کا تالہ لگوالوں، پھر آتی ہوں۔" زرقا کی یہ بات سن کر اقصیٰ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

کچھ دیر بعد زرقا اقصیٰ کے کمرے میں آگئی اور بیڈ پر بیٹھ گئی۔ "ہاں، کہو کیا کہنا تھا۔"

اقصیٰ نے ایک کرسی اٹھائی اور زرقا کے قریب رکھ کر اُس پر بیٹھ گئی۔

زرقا اقصیٰ کی طرف دیکھ رہی تھی اور اقصیٰ کے چہرے پر انتہائی گھبراہٹ تھی۔ وہ آنکھیں جھکائے خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ بے چینی سے اپنے ہاتھوں کو جنبش دے رہی تھی۔ وہ بار بار کچھ بولنے کی کوشش کرتی لیکن پہلے لفظ پر ہی اُس کی زبان اٹک جاتی۔ اُس کے حوصلہ ٹوٹنے کے تاثرات اُس کے چہرے پر عیاں ہورہے تھے۔

"کیا بات ہے اقصیٰ! اتنا گھبرا کیوں رہی ہو؟" زرقا نے اقصیٰ کی طرف دیکھتے

ہوئے کہا۔

اقصیٰ نے کچھ دیر زرقا کی طرف دیکھا اور حوصلے کا ایک لمبا سانس کھینچتے ہوئے اپنی بات شروع کی۔

"آنٹی! زندگی کی کچھ تلخ حقیقتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے لیے ہمیں اپنے دِل پر پتھر رکھ کے دماغ سے سوچنا پڑتا ہے۔ آنٹی! میں آپ سے جو بات کروں گی' آپ نے اُسے حوصلے اور صبر سے سننا ہے۔ آنٹی' آپ دِل مضبوط کرتے ہوئے میری پوری بات سننا۔ پہلے سے کوئی رائے قائم نہ کرنا۔"

اقصیٰ کے اِس طرح کے الفاظ سن کر زرقا کے چہرے پر پریشانی چھاگئی۔

اقصیٰ نے اپنی کرسی زرقا کے اور نزدیک کرلی اور اپنی بات شروع کی۔

"آنٹی! مجھ پر اور ارسل پر ایک عجیب حقیقت کا انکشاف ہوا ہے۔ جو ہم نے اب تک آپ سے چھپائی۔ جبکہ اُس حقیقت کا تعلق آپ کی زندگی سے ہے۔ جو گزرچکی ہے اُس سے بھی اور جو موجودہ ہے اُس سے بھی۔

"آنٹی آپ نے صائم کو کبھی نہیں ڈھونڈا۔ آپ روحیل کے آنے سے پہلے صائم کو ڈھونڈتی رہیں اور وہ آپ کے اردگرد رہی۔ اُس نے آپ کی پوری زندگی اپنی لپیٹ میں لے لی اور آپ کو گمان تک نہ ہوا۔"

"اقصیٰ! یہ تم کیا پہیلیاں بجھوا رہی ہو میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا۔"

"آپ میری پوری بات سنیں۔ آہستہ آہستہ آپ سب سمجھ جائیں گی۔ انکل زیب نے جس عورت سے شادی کی' اُسے آپ نے کبھی نہیں دیکھا۔ انکل دوسری شادی کے کچھ دن بعد ہی فوت ہوگئے۔ اُس کی وجہ کیا تھی! اُن کے فوت ہونے کے بعد صائم ایک دم کہاں غائب ہوگئی؟ اُن کا بیٹا روحیل آپ سے بیس سال بعد کیوں ملا؟ آپ کے ذہن میں یہ سوال کبھی نہیں اُبھرے؟

"اقصیٰ! میرے گرد غموں اور تنہائی کا کوئی ایسا ہالہ تھا کہ میں نے بس روحیل

کے انتظار کی آس ہی باندھ لی۔ کبھی اور کچھ سوچا ہی نہیں۔" زرقا ماضی کی کسی گہری سوچ میں کھوگئی۔

"آنٹی! آپ ماضی کی جن چنگاریوں کو نظرانداز کرتی رہی ہیں' اب وہ ایک لاوے کا روپ دھار کر ہم سب کی زندگیوں میں شامل ہوچکی ہیں۔ انکل کی موت کے وجہ وہ عورت تھی۔ جس سے انہوں نے شادی کی۔ کیونکہ وہ عورت نہیں شیطانی طاقتوں کی مالک ایک ڈائن تھی۔ جس نے انسانی خون کی ہوس میں انکل کو بھی نگل لیا۔"

اقصیٰ کے منہ سے یہ الفاظ نکلے تو زرقا پر جیسے بجلی گر گئی۔ وقت کے دھارے میں جس غم کو وہ بھول بیٹھی تھی۔ وہ ایک کرب ناک حقیقت کے ساتھ اُس کے دِل میں تازہ ہوگیا۔ وہ کانپتی ہوئی آواز کے ساتھ بولی۔ "اقصیٰ! یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

"آنٹی! یہ ایک تکلیف دہ سچ ہے۔ جسے کوئی بھی نہیں جھٹلا نہیں سکتا۔ صائم ایک مافوق الفطرت مخلوق ہے جو ایک خوبصورت عورت کا روپ دھار کر انکل زیب کی زندگی میں آئی۔ انکل کی موت تو اُس کی شیطانیت کی ابتدا تھی۔ اُس کی شیطانیت کی انتہا تو اب ایک اور روپ دھارے ہمارے بیچ موجود ہے۔ ایک ایسے انسان کے روپ میں جو دِن کی روشنی میں تو انسان ہی ہوتا ہے لیکن جونہی رات کے دس بجتے ہیں' وہ ایک خوفناک آسیب کا روپ دھار لیتا ہے۔ جس کی شیطانی طاقت صائم کی طاقت سے دوگنی ہے۔ جو انسانی خون کی ہوس میں انسانوں کو درندے کی طرح نوچ کھاتا ہے۔ وہ کتنا طاقتور اور بھیانک ہے اُس کی آسیبی طاقتیں کتنی خطرناک ہیں' آپ اِس کا اندازہ بھی نہیں کرسکتیں۔ یہ آسیبی طاقتیں اُسے ورثے میں ملی ہیں۔ جانتی ہیں کس سے۔ صائم سے........ صائم اُس دوہرے روپ کے انسان کی ماں ہے اور انکل زیب اُس کے باپ۔"

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

یہ بات سنتے ہی زرقا پر غشی طاری ہو گئی۔ اُس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے۔ اقصیٰ نے زرقا کا یہ حال دیکھا تو وہ گھبرا گئی اور اُس کا چہرہ تھپتھپانے لگی۔ "آنٹی! پلیز خود کو سنبھالیں۔ آنٹی............" لیکن زرقا پر مکمل بے ہوشی طاری ہونے لگی۔ اُس آنکھیں اوپر کو چڑھ گئیں اور پھر وہ بے ہوش ہو کر بے سدھ گر پڑی۔

اقصیٰ تیزی سے اپنے میڈیکل بکس کی طرف بڑھی اور وہاں سے ایک انجیکشن نکال کر زرقا کو لگا دیا۔ انجیکشن کے تھوڑی دیر بعد ہی زرقا کو ہوش آگیا۔ زرقا کو ہوش آیا تو اقصیٰ اُس کا ہاتھ تھامے اُس کے قریب بیٹھی ہوئی تھی۔ زرقا اقصیٰ سے لپٹ گئی اور چیخ چیخ کر رونے لگی۔

"میرے خدا! مجھے کس آزمائش میں ڈال دیا۔ میں نے تو روحیل کو اِس حویلی کا سپوت سمجھا تھا۔ وہ خون آشام درندہ کیسے بن گیا۔ یہ بھیانک انہونی ہماری زندگی میں کیسے ہو گئی۔" زرقا اونچی اونچی آواز میں رو رہی تھی۔

"آنٹی! روحیلی کو بُرا نہ کہیں۔ وہ بہت بے بس ہے۔ وہ رات کو کہاں ہوتا ہے' کیا کرتا ہے' اُسے کچھ یاد نہیں ہوتا۔" اقصیٰ نے زرقا کو چپ کرواتے ہوئے کہا۔

"اے خدا! یہ تُو نے میرے بیٹے کو کیسی زندگی دی ہے۔ یہ تُو نے اُسے کس روپ میں مبتلا کردیا ہے۔ اُسے اِس کرب سے باہر نکال دے میرے مالک' اور لوگوں کو اُس کے بھیانک آسیب کے شر سے بچا۔"

زرقا گلوگیر آواز میں خدا سے شکوہ کرنے لگی۔ پھر وہ ایکدم سے اٹھی اور اپنے کمرے سے نکل کر روحیل کے کمرے کی طرف بڑھی۔ اقصیٰ بھی اُس کے ساتھ ساتھ چل دی۔ زرقا روحیل کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہاں روحیل نہیں تھا۔ اُس نے اپنی بھیگی ہوئی نگاہوں سے گھڑی کی طرف دیکھا تو ساڑھے دس بجے ہوئے تھے۔ زرقا روتے روتے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ اقصیٰ نے اپنے دونوں ہاتھ اُس کے شانوں پر رکھے اور اُسے کمرے سے باہر لے گئی۔ اقصیٰ کی آنکھوں میں آنسو تیر

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

رہے تھے لیکن وہ مسلسل زرقا کو حوصلہ دے رہی تھی۔ اُس نے زرقا کو بابا واسی شاہ کے بارے میں بتایا اور اِس بات کا یقین دلایا کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

☆==========☆==========☆

زرقا نے ساری رات بے چینی سے گزاری۔ اقصیٰ بھی دو بجے کے قریب اپنے کمرے میں چلی گئی۔ فجر کی اذان ہوئی تو زرقا نے فجر کی نماز پڑھی۔ نماز پڑھتے ہی وہ بے چینی سے روحیل کے کمرے کی طرف بڑھی۔ وہ روحیل کے کمرے میں داخل ہوئی تو روحیل اُسی کیفیت میں لیٹا ہوا تھا جس میں وہ اِس وقت ہمیشہ ایسے ہی لیٹا ہوتا تھا۔

وہ الٹا لیٹا ہوا تھا۔ اُس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو جکڑا ہوا تھا۔

زرقا اُس کی طرف بڑھی تو وہ اُسی کیفیت میں لیٹا ہوا تھا۔ جیسے اُس کے سر کے پچھلے حصے میں شدید درد ہو رہا ہو۔ زرقا اُس کے بستر کے قریب آئی۔ اُس نے جھٹکے سے کروٹ لی۔ اُس کی آنکھیں دہکتے انگاروں کی طرح سلگ رہی تھیں۔ اُس کے چہرے پر عجیب سی تھکاوٹ کے اثرات تھے۔ اُس نے زرقا کو اپنے قریب دیکھا تو اُس کی نگاہوں میں نمی تیرنے لگی۔ وہ کچھ دیر زرقا کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا پھر مسکراتے ہوئے اُس نے زرقا کی گود میں اپنا سر رکھ لیا۔ "ماں! دِل چاہ رہا ہے۔ آج آپ سے ڈھیر سا پیار لوں۔ ڈھیر ساری باتیں کروں۔"

زرقا بہت پیار سے روحیل کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگی۔ اُس کے دل میں غم کا ایک طوفان برپا تھا۔ جس سے اُس کی آنکھیں بار بار بھیگ رہی تھیں۔ وہ بے آواز گھٹ گھٹ کر رو رہی تھی۔ بار بار اپنے آنسوؤں کو صاف کرتی تاکہ روحیل پر ظاہر نہ ہو۔

روحیل کے دِل میں بھی غم کا کوئی الاؤ سا جل رہا تھا۔ اُس کی بے چین طبیعت میں ایک تڑپ تھی کہ کہیں وہ اپنوں کے اِس خلوص کو کھو نہ دے۔ جس کے حصار

میں ہی اُس کا سارا سکون ساری خوشیاں ہیں۔ جن لوگوں کے پیار نے اُس کے تاریک دِل کو روشن کردیا اُن لوگوں کو کوئی اُس سے چھین نہ لے۔ اِس سوچ سے اُس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

"ماں! ایک بات کہوں؟" روحیل نے زرقا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بیٹے آج جو تمہارے دِل میں آتا ہے کہو۔ میں تمہارے پاس بیٹھی ہوں۔"

"میں آپ سے دور دور اِس لئے رہتا تھا کہ میں چاہتا تھا کہ آپ مجھ سے زیادہ پیار نہ کریں۔ میری ذات میں ایک خلا ہے۔ جس کی وجہ سے مجھے ہر وقت یہ گمان رہتا تھا کہ جیسے میں ہمیشہ آپ لوگوں کے ساتھ نہیں رہ سکتا لیکن شاید میں یہ بات نہیں جانتا تھا کہ ماں کا پیار تو وہ سمندر ہے جو کبھی کم نہیں ہوتا۔ میں نے آپ سب لوگوں کے پیار کو محسوس کیا تو مجھے بھی اپنی اِس زندگی سے پیار ہوگیا۔ دِل چاہا کہ میں بھی کسی کے لئے جیوں۔ یہ خوشی ملی کہ میری زندگی کے لئے بھی کوئی دعائیں کرتا ہے لیکن اب یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میں یہ سب کچھ کھو دوں گا۔" روحیل نے اپنی سرخ نگاہوں سے زرقا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"روحیل! یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ انشاء اللہ ہم ایک دوسرے سے کبھی جُدا نہیں ہوں گے۔ زندگی کی لمبی مسافت کے ساتھ ساتھ ہمارا پیار بھی بڑھتا رہے گا۔ اور تم یہ کھونے کی بات کیوں کر رہے ہو؟ ابھی تو تمہاری زندگی میں خوشیوں اور خلوص کا یہ پہلا قدم ہے۔ تم نے تو ابھی بہت سی خوشیاں دیکھنی ہیں۔ آئندہ اگر ایسی مایوسی والی باتیں کیں تو میں تم سے ناراض ہو جاؤں گی۔ چلو اب اپنا ذہن فریش کرو۔" زرقا نے اُسے پیار سے ہلکی سے تھپکی دی۔ تو روحیل اپنے ذہن کو جھٹک کے مسکرانے لگا۔

زرقا روحیل سے چھپا رہی تھی کہ وہ سب جانتی ہے اور روحیل اُس سے وہ تلخ حقیقت چھپا رہا تھا جس نے روحیل کو ایک عجیب دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا۔

☆==========☆==========☆

صبح سات بجے اقصیٰ نیند سے بیدار ہوئی تو وہ فوراً ارسل سے ملنے اُس کے کمرے میں گئی۔ وہ ابھی واش بیشن میں منہ دھو رہا تھا۔ وہ تولئے سے منہ پونچھتا ہوا باتھ سے باہر نکلا تو اقصیٰ اُس کے کمرے میں بیڈ پر بیٹھی اُس کا انتظار کررہی تھی۔

"کیا ہوا اقصیٰ! خیریت تو ہے؟" ارسل نے اقصیٰ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ اور پھر اُس کے قریب بیٹھ گیا۔

"ارسل! تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ اِس بے چینی میں میں نے رات نہ جانے کیسے گزاری ہے۔" اقصیٰ نے پریشان کن انداز میں کہا۔

"ایسی کیا بات ہے۔ کیا تم نے آنٹی کو سب کچھ بتا دیا؟"

ارسل نے گھبراتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے تو بڑی مشکل سے حوصلہ کرکے انہیں سب کچھ بتا دیا لیکن جس طرح انہوں نے یہ سب کچھ سنا ہے' میں بیان نہیں کرسکتی۔ وہ بے ہوش ہوگئی تھیں۔ میں نے انہیں طبی امداد دی تو اُنہیں ہوش آیا۔ ارسل' میں بہت پریشان ہوں۔ یہ تلخ حقیقت سن کر وہ بے ہوش ہوگئیں۔ اگر انہوں نے روحیل کا آسیبی روپ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو اُن کی جان کو خطرہ ہو سکتا ہے۔" اقصیٰ نے پریشانی سے اپنا سر پکڑ لیا۔

"تم نے بابا واسی شاہ کے آنے کے بارے میں اُنہیں کیا بتایا ہے؟" روحیل نے پوچھا۔

"میں نے اُن سے کہا ہے کہ وہ دو تین روز بعد آئیں گے۔ جبکہ وہ آج رات نو بجے آ رہے ہیں۔ کوئی ایسا طریقہ نکالو کہ آنٹی آج رات گھر موجود ہی نہ ہوں۔" اقصیٰ اِس پریشانی میں اُلجھ کر رہ گئی۔

"تم پریشان نہ ہو۔ ہم کوئی ایسا طریقہ نکال لیں گے کہ آنٹی رات ہونے سے

پہلے کہیں چلی جائیں۔ تم کوئی ٹینشن نہ لو۔ ہاتھ منہ دھو کر چینج کرلو۔ آنٹی ناشتہ لگوا رہی ہوں گی۔" ارسل نے اقصیٰ کو سمجھایا۔

کچھ دیر کے بعد زرقا نے ناشتہ لگوا دیا۔ گھر کے سب افراد اکٹھے بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگے۔ سب لوگ انتہائی خاموشی سے ناشتہ کررہے تھے۔ سب کے چہروں پر ایک عجیب سی اداسی چھائی ہوئی تھی۔ جیسے ہر ایک کوئی کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

رخسانہ نے اُن سب کی طرف دیکھا اور اپنا چمچ روکتے ہوئے بولی۔ "میں بہت دِنوں سے محسوس کررہی ہوں کہ تم سب الجھے الجھے رہتے ہو۔ گھر میں کوئی پریشانی ہے لیکن مجھے کوئی کچھ نہیں بتاتا۔" رخسانہ نے خفگی ظاہر کی۔

"نہیں امی! آپ ایسا کیوں سوچتی ہیں۔ ہم نے پہلے کبھی کچھ آپ سے چھپایا ہے۔"

اقصیٰ ابھی بات کررہی تھی کہ زرقا اُس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔ "رخسانہ میں آج حضرت بری امام کے مزار پر جاؤں گی۔ تم میرے ساتھ جانا اس موضوع پر میں تم سے راستے میں بات کروں گی۔"

"ہاں میرا بھی بہت دِل چاہ رہا تھا کہ میں اُن کے مزار پر حاضری دوں۔ کب روانہ ہوں گی یہاں سے؟" رخسانہ نے زرقا سے پوچھا۔

"بس کوئی آدھے گھنٹے تک۔" زرقا نے کہا۔

اقصیٰ اور ارسل نے زرقا کی یہ بات سنی تو اُن کی جان میں جان آگئی۔

اقصیٰ نے فوراً پوچھا۔ "آپ کب تک آجائیں گی؟"

"واپسی تک ہمیں رات کے دو یا تین تو بج ہی جائیں گے۔ تم لوگوں نے اپنا خاص خیال رکھنا ہے۔ سنا ہے کہ اُن کے مزار پر دعا کرنے سے خدا انسان کو بڑی سے بڑی مصیبت سے بری کردیتا ہے۔ خدا سے اپنے بچوں کی سلامتی کی دعا مانگوں گی۔" یہ الفاظ کہتے ہوئے زرقا کی نگاہیں بھیگ گئیں لیکن وہ بہانے سے وہاں سے

اٹھ گئی۔

کوئی آدھے گھنٹے کے بعد زرقا نے ڈرائیور سے گاڑی نکالنے کو کہا۔ رخسانہ نے کپڑے بدل لئے تھے لیکن زرقا اُنہی کپڑوں میں گاڑی میں بیٹھ گئی۔ وہ کسی کو ظاہر نہیں ہونے دے رہی تھی لیکن وہ غم کی شدت میں نڈھال ہوئی جا رہی تھی۔ اُس کی آنکھیں اِس طرح سوجی ہوئی تھیں جیسے رات بھر وہ رو رو کر خدا سے دعائیں کرتی رہی ہو۔

اقصیٰ! ارسل اور روحیل تینوں گاڑی کے پاس کھڑے تھے۔ زرقا نے بھیگی ہوئی نگاہوں سے اُن تینوں کی طرف دیکھا اور گلوگیر لہجے میں بولی۔ "تم تینوں اپنا خیال رکھنا۔ میں تمہیں خدا کے سہارے چھوڑے جا رہی ہوں۔ ماں کی دعاؤں میں بہت اثر ہوتا ہے۔ میں اپنے بچوں کے لئے خدا سے دعا کروں گی۔ جھولی پھیلا کے اُس سے اِس گھر کی خوشیوں کی بھیک مانگوں گی۔ خدا میرے بچوں کی عمر دراز کرے۔ آمین۔" یہ کہہ کر زرقا نے اُن تینوں کو دوبارہ پیار دیا۔

ڈرائیور نے گاڑی سٹارٹ کرکے چلا دی لیکن دور تک زرقا کی نگاہیں گھر کی طرف ہی لگی رہیں۔

زرقا کے جانے کے بعد اقصیٰ' ارسل اور روحیل خاموشی سے ایک کمرے میں بیٹھ گئے۔

وہ گہری پریشانی میں چپ چاپ بیٹھے ہوئے تھے۔ جیسے اُن کی خاموشی میں کئی خدشات کا شور ہو۔

روحیل نے اقصیٰ اور ارسل کی طرف دیکھا اور دھیمے دھیمے انداز میں کہنے لگا۔ "کاش میں اپنی دنیا میں ہی رہتا خود ہی ٹوٹتا اور بکھرتا رہتا لیکن آپ کے بیچ آکر آپ لوگوں کی زندگی برباد نہ کرتا۔"

"روحیل! تم یہ کیسی باتیں کررہے ہو۔ تم اِس حویلی کے وارث ہو۔ تمہاری

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

شناخت انکل زیب سے ہے۔ تم کہیں بھی رہو۔ تم اپنا تعلق ہم لوگوں سے نہیں توڑ سکتے۔ تمہیں ہر حال میں یہاں آنا تھا اور نہ ہی تم ہم سے یہ حق چھین سکتے ہو کہ ہم تمہارا احساس نہ کریں۔ تمہارا خیال نہ کریں۔ کیونکہ تم سے ہمارا خونی رشتہ ہے۔"

ارسل نے بھی اقصیٰ کی تائید کی۔ "اقصیٰ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔ تم اپنے وجود کو اِس گھر سے نکال سکتے ہو لیکن ہمارے دِل و دماغ سے نہیں۔"

ارسل کی بات سن کر روحیل کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اُس نے مسکرا کر ارسل کی طرف دیکھا اور پھر لپک کر اُس کے سینے سے لگ گیا۔ اقصیٰ بھی مسکرا دی تھی لیکن اِس مسکراہٹ کے ساتھ ساتھ اُس کے آنسو چھلک رہے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اقصیٰ اور ارسل کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ انہوں نے روحیل کو اِس بات سے ناآشنا رکھا تھا کہ بابا داسی شاہ رات کو حویلی آ رہے ہیں۔ اقصیٰ اور ارسل کا ذہن کئی خدشات میں الجھا ہوا تھا۔ گھڑی کی ٹک ٹک جیسے اُن کے دِل کی دھڑکنیں گن رہی تھی۔

وقت کا خاموش دھارا اپنی لپیٹ میں دہشت اور وسوسوں کا ایک بھونچال سا لئے ہوئے تھا۔

شام کے پانچ بجے تو اقصیٰ لان میں آ کر بیٹھ گئی۔ وہ درخت کے تنے سے سر لگائے کچھ سوچنے لگی۔ اچانک اُسے اپنے قریب قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی۔ اُس نے ترچھی نظر سے دوسری جانب دیکھا تو روحیل اُس کے قریب کھڑا تھا۔

"آؤ بیٹھو روحیل!" اقصیٰ نے روحیل سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

روحیل گھاس پر اُس کے قریب بیٹھ گیا۔

روحیل کے چہرے کے تاثرات بہت عجیب تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس کا دِل و دماغ کہیں اور پہنچا ہوا ہو۔ وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں گھاس پر انگلیاں پھیر رہا تھا۔ پھر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ بے چینی سے چاروں طرف اپنی

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

نظر دوڑاتا۔ پھر یک لخت اُس کی نظر ایک ہی جگہ ٹک گئی۔ جیسے وہ اپنے ذہن کی سکرین میں کچھ دیکھ رہا ہو۔

اقصیٰ نے روحیل کی ایسی کیفیت دیکھی تو وہ گھبرائے ہوئے انداز میں بولی۔ "کیا ہوا ہے روحیل؟"

روحیل نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو پکڑ لیا۔ "میرا سر درد سے پھٹ رہا ہے۔ میرے دِل و دماغ میں ایک عجیب سی بے چینی ہے۔ جیسے کچھ ہونے والا ہے۔ میرے اندر ایک ارتعاش ہے جس سے میری روح کانپ کے رہ گئی ہے۔ یا تو میں کسی خطرے کی طرف بڑھ رہا ہوں یا پھر کوئی ناگہانی آفت مجھے اپنے حصار میں لینے والی ہے۔"

"روحیل' اِس طرح سے مت سوچو۔ اپنے ذہن کا رجحان بدلو۔ ایسا کچھ نہیں ہو گا۔"

اقصیٰ نے روحیل سے یہ کہہ تو دیا لیکن خود وہ پریشان سا چہرہ بنائے سر جھکا کے بیٹھ گئی۔ وہ کچھ دیر سوچتی رہی۔ پھر اُس نے روحیل سے کچھ کہنا چاہا لیکن الفاظ جیسے اُس کی زبان پر آنے سے پہلے ہی دَم توڑ گئے۔ وہ پھر کچھ سوچنے لگی۔ پھر اُس نے روحیل کی طرف دیکھا۔

"روحیل! تم جس خطرے کا خدشہ محسوس کر رہے ہو وہ واقعی تمہاری طرف بڑھ رہا ہے لیکن وہ خطرہ تمہارے لئے نہیں۔ اُس شیطان کے لئے ہے جو تمہارے وجود میں موجود ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسی صورت نکل آئے کہ تم نارمل انسان کی طرح زندگی گزار سکو۔ بابا داسی شاہ نے ہمیں اِس بات کا یقین دلایا ہے کہ اُن کے عمل سے تمہاری زندگی کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

روحیل کا سر جھکا ہوا تھا۔ اقصیٰ کی بات سن کر اُس نے اوپر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آج آ رہے ہیں' بابا داسی شاہ!"

"تمہیں کیسے پتہ چلا؟"

"تمہاری باتوں سے اور کچھ............"

"روحیل! تمہیں یاد ہے نا۔ تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تم ہمارے ساتھ تعاون کرو گے۔ باباواسی شاہ کی ہر بات مانو گے۔" اقصیٰ پُر خلوص انداز میں بولی۔

"میں تو تم لوگوں کو اپنے اندر کے آسیب سے بچانے کے لئے اپنی دنیا میں واپس جانا چاہتا تھا لیکن تم نے کہا کہ صرف ایک بار میں باباواسی شاہ کو موقع دوں اُس کے بعد اپنی یہ بات پوری کرلوں۔ اقصیٰ! میں تمہاری بات ٹال نہیں سکتا۔ تم نے مجھے ہپناٹزم کے لئے کہا' میں مان گیا اور اب تم کہہ رہی ہو کہ میں خود کو باباواسی شاہ کے آگے حاضر کردوں۔ تو میں تمہاری یہ بات بھی نہیں ٹال سکتا لیکن یہ تمہیں ضرور کہوں گا کہ جو تم سوچ رہی ہو۔ یہ بہت مشکل ہے۔ شاید ناممکن ہے۔ میرے اندر جو آسیب کا روپ ہے۔ وہ مجھے ورثے میں ملا ہے۔ اُس روپ کو مجھ سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ ایسا صرف اُسی صورت میں ہوسکتا ہے اگر روحیل کا وجود ہی ختم کردیا جائے لیکن مجھے اِس کی کوئی پروا نہیں۔ میں ہر حال میں چاہتا ہوں کہ لوگ میرے اندر کے خوفناک شیطان سے محفوظ ہو جائیں۔"

روحیل کی یہ باتیں سُن کر اقصیٰ کانپ کے رہ گئی۔ اُس کی آنکھیں دہکتے انگاروں کی طرح سلگنے لگیں۔

"روحیل! تم کیا سمجھ رہے ہو کہ باباواسی شاہ کے سامنے ہم تمہیں یونہی پیش کررہے ہیں۔ روحیل' شاید تمہیں اپنی زندگی سے اتنا پیار نہ ہو جتنا اِس گھر کے افراد تم سے پیار کرتے ہیں۔ ہم تو باباواسی شاہ سے صرف یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کسی طریقے سے تم سے تمہارا یہ آسیبی روپ الگ ہو سکتا ہے۔ جس میں تمہاری جان کا کوئی خطرہ نہ ہو۔ اگر انہوں نے کہا کہ خطرہ ہے کہ تو پھر ہم اُنہیں کوئی عمل نہیں کرنے دیں گے۔ یہ بات ہم نے اُن سے طے کی ہے لیکن یہ سب وہ تم سے مل کر

ہی معلوم کرسکتے ہیں۔"

"ان وفاؤں کی زنجیروں میں ہی تو میں جکڑا گیا ہوں۔ اِس زندگی کو جینے کو دل چاہتا ہے۔ اپنوں کی اتنی وفائیں ہیں اور اُس زندگی سے نفرت ہے جس نے خون کی ندیاں بہا دی ہیں۔ میں محبت اور نفرت کے اِس حصار میں بکھر چکا ہوں۔" روحیل نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا اور درخت سے پشت لگا کے بیٹھ گیا۔

"روحیل! پلیز خود کو سنبھالو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا! میں ارسل کو بلا کر لاتی ہوں۔" اقصیٰ یہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد اقصیٰ اور ارسل دونوں روحیل کے پاس آگئے۔

☆==========☆==========☆

پونے سات ہوگئے۔ وہ تینوں لان میں ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد سات بجے تو اقصیٰ اور ارسل باباواسی شاہ کا انتظار کرنے لگے۔ اُن کی بے چینی خوف اور دہشت کا روپ دھارنے لگی۔ وہ تینوں خاموش بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک دم روحیل نے ایک جھرجھری لی اور فضا میں چاروں اطراف گھورنے لگا پھر یک لخت بولا۔ "میری ماں صائم آرہی ہے۔"

یہ الفاظ اُس کی زبان سے ادا ہی ہوئے تھے کہ پوری فضا میں بھاری پروں کی آواز گونجنے لگی۔

اقصیٰ اور ارسل نے گھبرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر یک لخت ایک خوفناک شاہین بھیانک آواز کے ساتھ فضا میں نمودار ہوا۔

اقصیٰ اور ارسل جہاں کھڑے تھے' وہیں سُن ہوگئے۔ اُن کی پھٹی پھٹی نگاہیں جیسے ہوا میں معلق ہوگئیں۔

وہ خوفناک شاہین چیختا ہوا اُن دونوں کی طرف بڑھا اور اپنے پروں کے بلیڈوں سے ہوا کو چیرتا ہوا اُن کے سروں کے اوپر سے گزر کر دوسری طرف چلا گیا۔ اُن

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

دونوں نے جھٹکے سے دوسری طرف دیکھا تو وہ خوفناک شاہین زمین کی طرف بڑھا۔

اُن دونوں کے جسموں میں تھرتھراہٹ کی ایک لہر دوڑ گئی۔ وہ خوفناک شاہین اُن کی آنکھوں کے سامنے اُس خوبصورت عورت کا روپ دھار گیا جس کے روپ میں صائم اپنا بدہیت چہرہ چھپالیتی تھی۔ اُس کے وارد ہوتے ہی ہوا کا جیسے انداز ہی بدل گیا۔ ہوا ایک شدید طوفان کا روپ دھار گئی۔ جس کے تھپیڑوں نے اقصیٰ اور ارسل کو ہلا کے رکھ دیا۔ ہوا میں اتنی خوفناک آوازیں گونجنے لگیں کہ ہر طرف جیسے دہشت ناچنے لگی۔

اقصیٰ اور ارسل کا دل جیسے ان کی مٹھی میں آگیا۔ انہیں یوں محسوس ہونے لگا کہ جیسے اُن کے دل کی دھڑکن بند ہو کر رہ گئی ہو۔ وہ ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے سراسیمگی سے صائم کی طرف دیکھ رہے تھے۔

صائم کے لمبے لمبے بال ہوا کے تیز جھونکوں میں لہرا رہے تھے۔ اُس نے اُن تینوں کی طرف دیکھا اور قہقہہ بلند کیا۔ پھر اُس نے اپنے دونوں بازوؤں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ کچھ دیر کے بعد اُس کا وجود آنکھوں میں مدھم پڑنے لگا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اُس کا وجود آنکھوں سے اوجھل ہونے لگا۔

اقصیٰ اور ارسل نے تیز تیز سانس لیتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

لیکن جب سفید لباس میں ملبوس صائم کا وجود بالکل اوجھل ہونے لگا تو اقصیٰ اور ارسل کی پھٹی پھٹی نگاہیں اُس کے غائب ہوتے وجود پر جم گئیں۔

لیکن یک لخت صائم کا وجود ایک تیز روشنی میں تبدیل ہوگیا جس کی روشنی سے پورا لان روشن ہوگیا۔ روشنی اِس قدر تیز تھی کہ اقصیٰ اور ارسل کی آنکھیں چندھیا کر رہ گئیں اور اُن کی آنکھوں میں اِس قدر جلن ہونے لگی کہ وہ اپنے ہاتھوں سے اپنی آنکھیں ڈھانپے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے۔ روحیل تیزی سے اُن کے قریب آگیا۔

scanned by iqbalmt@oneurdu.com

کچھ دیر کے بعد جب یہ تیز کرب ناک روشنی معدوم ہوئی تو اُن دونوں نے آہستہ آہستہ اپنی آنکھیں کھولیں تو اُن کی آنکھیں خوف کے مارے باہر کو اُبل پڑیں۔

دہشت سے وہ کانپ کے رہ گئے۔ خوف سے اُن کا دماغ اِس طرح سن ہوگیا کہ وہ بدحواس ہو کر رہ گئے۔

صائم اُس خوبصورت عورت کے مادی وجود کو چھوڑ کر اپنے بھیانک ترین ہوائی روپ میں آچکی تھی۔

اُس چڑیل کا یہ روپ اتنا خوفناک تھا کہ اقصیٰ اور ارسل پر خفقانی کیفیت طاری ہوگئیں۔ اُن کے دِلوں کی دھڑکنیں اتنی تیز ہوگئیں کہ اُن کا اپنے اعصاب پر قابو ہی نہ رہا۔ اُن کی ٹانگوں کی جان جیسے ختم ہی ہوگئی ہو۔

صائم نے اپنے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کئے اور دہشت ناک آواز کے ساتھ گرجی۔ ”میں نے روحیل کو تمہاری دنیا میں اِس لئے بھیجا تھا کہ یہ انسانوں کے لئے ترستا تھا لیکن تم جو کچھ کر رہے ہو اُس کا انجام نہیں جانتے۔ تمہارے یہ ہتھکنڈے میرے لئے بچوں کا کھیل ہے۔ میں دیکھ رہی تھی کہ تم اور کتنے پر نکالتے ہو۔ وہ بابا واسی شاہ میرا اور میرے بیٹے کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔“

”اپنی ناپاک زبان سے مجھے بیٹا نہ کہہ۔ تیرے وجود کی وجہ سے مجھے اپنے آپ سے نفرت ہے۔ یاد رکھ اگر اقصیٰ اور ارسل پر خراش بھی آئی تو تو مجھے ہمیشہ کے لئے کھودے گی۔“ روحیل انتہائی طیش میں گرجا۔

صائم اپنی خونخوار آنکھیں روحیل کی طرف گاڑتے ہوئے چنگھاڑی۔

”تیری وجہ سے میں نے اب تک اِن کا لحاظ کیا۔ تیرے شیطانی روپ سے اِنہیں دور رکھا لیکن اب انتہا ہوگئی ہے۔ اب میں اِنہیں نہیں چھوڑوں گی۔“ یہ کہہ کر صائم نے اپنے ناخن سے روحیل کی طرف اشارہ کیا تو روحیل کے پاؤں زمین

میں گڑ گئے اور یک لخت اُس کی قوت گویائی بھی سلب ہوگئی۔

صائم نے ایک خوفناک قہقہہ لگایا اور اپنے دوسرے ناخن سے اقصیٰ اور ارسل کی طرف اشارہ کیا۔

جس سے ایک دم اُن کے گرد آگ کا ایک دائرہ کھنچ گیا۔ اقصیٰ نے چیخ کر ارسل کا بازو تھام لیا۔

آگ تیزی سے اُن کی طرف بڑھنے لگی۔ اقصیٰ اور ارسل کی چیخ و پکار فضا میں گونجنے لگی۔

روحیل یہ سب دیکھ کر مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا لیکن وہ نہ تو اپنی جگہ سے ہل سکتا تھا اور نہ ہی کچھ بول سکتا تھا۔

روحیل اپنی بھیگی ہوئی آنکھوں سے اُن دونوں کی طرف دیکھ کر تڑپتا اور پھر اپنی دہکتی ہوئی آنکھوں سے صائم کے بدہیت چہرے کی طرف دیکھتا۔ کچھ ہی دیر میں وہ آگ اتنی بڑھ گئی کہ اُس کی حرارت اقصیٰ اور ارسل کو شدید اذیت دینے لگی۔ وہ اونچی اونچی آواز میں چیخنے لگے۔

اُن کی چیخوں کے ساتھ صائم کی شیطانی ہنسی فضا میں گونج رہی تھی۔

اچانک صائم خاموش ہوگئی۔ اُس کی شیطانی قوت نے اپنے قریب کسی چوتھے وجود کو محسوس کیا اور اُس نے اپنی قوتوں کے آئینے میں اُس کا چہرہ بھی دیکھ لیا۔ وہ طیش میں ہوا میں جھولتی ہوئی دوسری طرف مڑی تو بابا واسی شاہ اُس کے سامنے کھڑے تھے۔ وہ ہونٹوں کی تیز جنبش کے ساتھ منہ میں کچھ پڑھ رہے تھے۔ اُن کے ہاتھ میں مٹی کا مشکیزہ تھا جس میں شاید پڑھا ہوا پانی تھا۔ اقصیٰ اور ارسل کی چیخ و پکار بابا واسی شاہ کے کانوں میں پڑ رہی تھی۔

صائم نے ایک قہقہہ فضا میں بلند کیا اور اپنا ہاتھ اٹھانے لگی۔ اِس سے پہلے کہ وہ اپنا ہاتھ اوپر اٹھا کر کوئی عمل کرتی۔ بابا واسی شاہ نے پانی سے بھرا ہوا وہ مشکیزہ اُس

چڑیل کی سمت میں ہوا میں اچھال دیا۔ اس کے ساتھ ہی صائم کے گرد نورانی علم کا ایک ہالہ سا کھنچ گیا۔ اس ہالے میں صائم کی شیطانی قوتیں قید ہو کر رہ گئیں۔ اُس کی کوئی شیطانی قوت اُس ہالے سے باہر نہیں جاسکتی تھی۔ جس کے ساتھ ہی اقصیٰ اور ارسل کے گرد لگی ہوئی آگ بجھ گئی اور روحیل کے قدم بھی زمین سے آزاد ہوگئے۔

ہوا میں معلق صائم اپنے بھیانک روپ کے ساتھ بے چینی سے نہ دکھائی دینے والے اُس گول چکر میں منڈلانے لگی جو بابا واسی شاہ نے اپنے نوری علم سے اُس کے گرد کھینچ دیا تھا۔

شدید طیش میں صائم کے منہ سے خوفناک غراہٹ کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ جس سے اقصیٰ اور ارسل کی سانسیں اُکھڑ کر رہ گئیں۔

اِس دائرے میں گھومتے گھومتے یک لخت صائم چنگھاڑتی ہوئی رکی اور اپنی خونخوار نگاہیں بابا واسی شاہ کے چہرے پر گاڑ دیں۔

"تو دیکھ! میں تیرے اِس عمل سے کیسے باہر نکلتی ہوں۔" یہ کہہ کر صائم نے اُس غیبی ہالے میں چکر کاٹنا شروع کردیئے۔

کچھ ہی دیر کے بعد اُس ہالے میں سے اتنی خوفناک آوازیں ابھرنے لگیں کہ اقصیٰ اور ارسل لپک کر بابا واسی شاہ کے قریب آگئے۔ اُن کے دلوں کی دھڑکنیں انتہائی تیز ہوگئیں۔

وہ چاروں پھٹی پھٹی نگاہوں سے صائم کی طرف دیکھ رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے صائم ہالے میں گھومتے ہوئے اُسی خوبصورت عورت کا روپ دھار گئی۔

پھر کچھ ہی دیر کے بعد وہ اُس خوبصورت عورت سے ایک شاہین کا روپ دھار کر اُس ہالے میں تیزی سے چکر کاٹنے لگی۔ وہ جوں جوں روپ بدل رہی تھی۔ دائرے میں خوفناک آوازیں بڑھ رہی تھیں۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ شاہین سیاہ بلی

روپ دھار گیا۔

اقصیٰ اور ارسل کی اوپر کی سانس اوپر نیچے کی سانس نیچے رہ گئی۔ خوف کی زیادتی سے وہ تھر تھر کانپ اٹھے۔ اُن چاروں کی پھٹی پھٹی نگاہوں کے سامنے وہ سیاہ بلی ایک چھپکلی میں بدل گئی۔ جو کھٹ سے دائرے سے باہر گھاس پر گری اور ایک ہی ساعت میں غائب ہو گئی۔

اِن لمحوں میں بابا واسی شاہ پریشان ہو گئے اور گھبراہٹ سے ادھر اُدھر دیکھنے لگے۔ یک لخت ہر طرف صائم کے قہقہوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ بابا واسی شاہ نے اطمینان کا لمبا سانس کھینچا۔ ''اِس کا مطلب ہے کہ وہ ابھی ہمارے آس پاس موجود ہے۔''

یہ کہہ کر بابا واسی شاہ تیزی سے زمین پر بیٹھ گئے اور ایک نوکدار چیز سے کچی زمین کھودنے لگے۔ انہوں نے گڑھا سا کھود لیا اور برق سرعت سے اپنے تھیلے سے ایک پوٹلی نکالی اور اُسے اُس گڑھے میں جھاڑنے لگے۔ اُس پوٹلی سے قبرستان کی راکھ اور انسانی جسم کی ہڈیوں کا ایک ڈھیر اُس گڑھے میں جا گرا۔

بابا واسی شاہ نے اپنے دونوں ہاتھ اُس گڑھے کے اوپر اکڑا لئے اور اونچی اونچی آواز سے آنکھیں بند کئے کوئی منتر پڑھنے لگے۔

تیز ہوا کا شور آسیبی طاقتوں کے ایک بھونچال میں بدل رہا تھا۔ ہر طرف خوفناک آوازوں کی ایک دہشت پھیلی ہوئی تھی۔

جوں جوں بابا واسی شاہ منتر پڑھتے جا رہے تھے۔ اِن آوازوں کا شور بڑھتا جا رہا تھا۔

سراسیمگی کے اِس ماحول میں بابا واسی شاہ کی زبان پل بھر کے لئے بھی نہ رُکی۔ وہ مسلسل منتر پڑھتے رہے کچھ ہی دیر کے بعد صائم کی خوفناک غراہٹ کی آوازیں پوری فضا میں گونجنے لگیں۔

بابا واسی شاہ مزید اونچی اونچی آواز میں اپنا منتر پڑھنے لگے۔ جس سے صائم کی چنگھاڑنے کی آواز اِس طرح ہر طرف گونجنے لگی جیسے اُس کی شیطانی طاقتوں اور بابا واسی شاہ کی نوری طاقتوں کے مقابلے میں اُسے شدید اذیت پہنچ رہی ہو۔ جیسے وہ نوری طاقتوں کا مقابلہ نہ کر پا رہی ہو۔

بابا واسی شاہ اپنے دونوں ہاتھ اکڑائے مسلسل وہ منتر پڑھ رہے تھے۔ اُن کا چہرہ اتنی سردی میں بھی پسینے میں بھیگ گیا تھا۔ اُن کا حلق سوکھ گیا تھا۔ اُس منتر کی سختی سے اُن کا پورا وجود جیسے درد سے پھوڑا بن گیا تھا لیکن اِس سخت عمل میں انہیں کسی بھی چیز کی ہوش نہیں تھی۔

عمل کرتے کرتے ایک دم سے بابا واسی شاہ کے پورے جسم کو شدید جھٹکے لگنے لگے۔ اِن لمحوں میں صائم شدید طیش میں بابا واسی شاہ کی نوری طاقتوں کی قید میں ہوا میں ظاہر ہو رہی تھی اور بابا واسی شاہ کے عمل سے اُس کے گرد وہ نوری ہالہ بنتا جا رہا تھا جس میں اُس کی تمام شیطانی قوتیں محصور ہو کر رہ گئی تھیں۔ جوں جوں ہالہ بنتا جا رہا تھا' صائم کے حلق سے خوفناک آوازیں اُبھرتی جا رہی تھیں۔ بے چینی میں اُس کا روپ اتنا بھیانک ہو گیا تھا کہ دہشت سے اقصیٰ اور ارسل نڈھال ہو کر رہ گئے۔ اُن کے جسم میں جیسے جان ہی نہ رہی۔ وہ اِس خوفناک منظر سے آنکھیں چرائے سہمے ہوئے' بابا واسی شاہ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔

روحیل اپنی بھیگی ہوئی سرخ نگاہوں سے یہ تلخ حقیقت دیکھ رہا تھا۔ اُس کا پورا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو رہا تھا۔

جونہی نہ دکھائی دینے والا یہ نوری ہالہ مکمل ہوا۔ بابا واسی شاہ نے فوراً عمل چھوڑ دیا۔ انہوں نے آنکھیں کھولیں تو اُن کی آنکھیں گوشت کے لوتھڑے کی طرح سرخ تھیں۔ جن میں اُن کی جسمانی اور ذہنی تھکاوٹ عیاں تھیں۔

ہالہ مکمل ہوتے ہی نہ صرف صائم کی شیطانی طاقتیں اُس میں محصور ہو گئیں

بلکہ اُس کی قوتِ گویائی بھی سلب ہوگئی۔ بس وہ اپنے بھیانک روپ کے ساتھ اُس دائرے میں بے بسی اور بے چینی سے چکر کاٹ رہی تھی۔

ہوا سے خوفناک آوازوں کا شور ایک دم سے ختم ہوگیا۔

آندھی کا جھکڑ ٹھٹھرتی ہوئی سرد ہوا میں بدل گیا۔

اقصیٰ' ارسل اور روحیل نے اطمینان کا لمبا سانس کھینچتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

شیطانی طاقتیں نوری طاقتوں کے آگے دَم توڑ چکی تھیں۔

☆==========☆==========☆

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

وہ چاروں خود کو انتہائی محفوظ محسوس کرنے لگے لیکن کچھ دیر کے بعد بابا داسی شاہ نے روحیل کو پکارا۔

"روحیل! میرے قریب آؤ۔ وقت بہت کم ہے اور کام انتہائی مشکل۔" تو اقصیٰ اور ارسل کی جان مٹھی میں آگئی۔

روحیل بہت عجیب سے انداز سے اپنی بھیگی ہوئی نگاہوں سے کافی دیر تک اقصیٰ اور ارسل کی طرف دیکھتا رہا اور پھر ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے بابا داسی شاہ کی طرف بڑھنے لگا۔

اقصیٰ اور ارسل نہایت پریشانی کی کیفیت میں روحیل کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کئی وسوسے اُنہیں اندر سے توڑتے جا رہے تھے لیکن وہ خُدا کے سہارے خود کو مضبوط کرتے کہ اُس کے نوری علم میں بہت طاقت ہے۔

روحیل بابا داسی شاہ کے قریب آیا تو انہوں نے دھیمے سے انداز میں کہا۔ "گھٹنوں کے بل بیٹھ جاؤ۔"

روحیل بابا داسی شاہ کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

بابا داسی شاہ نے روحیل کے سر پر ہاتھ رکھا۔ "تمہیں میرے ساتھ تعاون کرنا ہوگا۔"

روحیل نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا تو صائم غصے کے الاؤ میں تڑپنے لگی۔ بے

بس میں اس کا روپ اور بھی خوفناک ہوگیا۔ اُس کے گلے سے ایسی بھیانک غراہٹ کی آوازیں اُبھر رہی تھیں کہ جیسے اگر صائم بابا واسی شاہ کے عمل سے باہر آگئی تو ایک بھونچال آجائے گا۔

خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔

بابا واسی شاہ روحیل کے قریب بیٹھ گئے۔ انہوں نے اپنے تھیلے سے ایک آٹے کا بنا ہوا دیا نکالا اور ایک دم کیا ہوا چاقو۔

بابا واسی شاہ نے روحیل کا دایاں ہاتھ تھاما جس کی کلائی پر پنجے کا نشان نصب تھا۔

انہوں نے اپنے دم کئے ہوئے چاقو سے روحیل کے اس بازو پر ایک چیرا دیا۔ جس سے تیزی سے خون بہنے لگا۔ بابا واسی شاہ نے آٹے کا وہ دیا روحیل کے بازو کے قریب کردیا جو اُس کے خون سے بھر گیا۔ جس کے ساتھ ہی بابا واسی شاہ نے اپنے دم کئے ہوئے چاقو کا اُلٹا حصہ اس چیرے پر رکھا جس سے اُس سے خون بہنا فوراً بند ہوگیا۔

بابا واسی شاہ روحیل کے سامنے آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئے اور خون سے بھرے ہوئے اُس دیئے کو درمیان میں رکھ کے آنکھیں بند کرکے اپنے دونوں ہاتھ اس دیئے کے اوپر اٹھا لئے اور منہ میں کچھ پڑھنے لگے۔ چند ہی ساعتوں میں اُس دیئے میں روحیل کے خون میں ڈوبی ہوئی روئی جل اُٹھی اور وہ دیا روشن ہوگیا۔

دیا روشن ہوتے ہی روحیل کی آنکھوں میں ایک اجنبیت سی آگئی اور آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ وہ ایک بُت کی طرح اپنی جگہ پر ساکت ہوگیا۔

بابا واسی شاہ نے وہ جلتا ہوا دیا اپنے ہاتھوں میں لیا اور اُسے روحیل کے ارد گرد سر تا پا ایک دائرے کی صورت میں گھمانے لگے۔ وہ اس عمل کے ساتھ ساتھ ہونٹوں کی تیز جنبش کے ساتھ کوئی منتر پڑھ رہے تھے۔

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

یہ سب صائم کی برداشت سے باہر تھا۔ وہ خونخوار چڑیل انتہائی طیش میں غراتی ہوئی اُس دائرے میں تیزی سے چکر کاٹ رہی تھی۔ وہ کئی بھیانک روپ بدل رہی تھی لیکن کسی بھی طریقے سے وہ اِس نوری ہالے سے باہر نہیں آسکتی تھی۔

بابا واسی شاہ نے اُس چراغ کا روحیل کے گرد جب ساتواں چکر مکمل کیا تو وہ دیا خود بخود بجھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی بابا واسی شاہ نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور اس دیئے کو زمین پر رکھ کے اپنے دونوں ہاتھوں کو آپس میں جوڑ لیا۔

وہ تقریباً پندرہ منٹ اِسی کیفیت میں رہے اور روحیل بھی اُسی کیفیت میں مٹی کے بت کی طرح اُن کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کی بند آنکھوں میں خفیف سی حرکت بھی نہ ہوئی۔ وہ بابا واسی شاہ کے گہرے عمل کے زیر اثر تھا۔

کچھ دیر کے بعد بابا واسی شاہ نے آنکھیں کھولیں تو اُن کی آنکھیں دہکتے انگاروں کی طرح سرخ ہوچکی تھیں۔

انہوں نے روحیل کی طرف دیکھا اور اپنی ایک انگلی اُس کی پیشانی پر دونوں بھنوؤں کے درمیان میں رکھ دی۔ کچھ دیر کے بعد روحیل کی دونوں بھنوؤں کے درمیان جیسے ایک انگارا سا دہکنے لگا۔

بابا واسی شاہ نے فوراً اپنی انگلی پیچھے کرلی اور ایک پانی سے بھرا ہوا کچا پیالہ روحیل کے سامنے رکھ دیا۔

ہر طرف ایک خوفناک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ جس میں صائم کی دہشت ناک غراہٹ گونج رہی تھی۔

روحیل نے کانپتے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ آہستہ آہستہ اپنی آنکھیں کھولیں اور اس پانی سے بھرے پیالے کی طرف دیکھا۔ روحیل کے دیکھتے ہی اس پانی میں آگ بھڑک اُٹھی۔ جونہی آگ بھڑکی۔ بابا واسی شاہ نے تیزی سے منہ میں کچھ پڑھا اور اس آگ پر پھونک دیا۔ جس سے فوراً آگ بجھ گئی اور روحیل نے بے خودی میں

آہستہ آہستہ اپنی آنکھیں بند کرلیں۔

باباواسی شاہ اپنی جگہ سے کھڑے ہوگئے۔ جبکہ روحیل اُسی انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔

باباواسی شاہ نے اقصیٰ اور ارسل کی طرف دیکھا اور انتہائی پُراعتماد لہجے میں کہنے لگے۔ "روحیل کا آسیبی روپ اِس سے الگ نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ روپ اِسے ورثے میں ملا ہے۔ یہ پُراسرار روپ اِس کی ذات کا ایک حصہ ہے۔ جو صرف اِسی صورت میں ختم ہوسکتا ہے کہ روحیل کا وجود ہی نیست و نابود ہوجائے۔"

جونہی یہ الفاظ باباواسی شاہ کی زبان سے نکلے تو اقصیٰ اور ارسل تڑپ کر اُن کی طرف بڑھے۔ اقصیٰ نے روتے ہوئے باباواسی شاہ کا بازو پکڑلیا۔ "نہیں بابا جی۔ ہم روحیل کو اُس کی دنیا میں واپس بھیج دیں گے۔ چاہے وہ ہم سے کبھی نہ ملے لیکن اُس کی زندگی پر کوئی آنچ نہیں آنی چاہیے۔"

باباواسی شاہ نے اقصیٰ کے سر پر ہاتھ رکھا۔ "تم دونوں نے میری پوری بات نہیں سُنی اور پریشان ہوگئے۔ میری پوری بات سنو............

"روحیل نے ایک ایسی ڈائن سے جنم لیا جو شیطانی طاقتوں کی حامل ہے۔ وہ انسانی خون سے اپنی پیاس بجھاتی ہے۔ روحیل جب پیدا ہوا تو اُس کا ایک روپ انسان کا تھا اور دوسرا آسیب کا۔ ایک ایسے آسیب کا جس کا شیطانی طاقتوں سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ جو پُراسرار قوتوں کا مالک ضرور ہوتا ہے لیکن انسانی خون کا پیاسا نہیں ہوتا۔

"لیکن صائم اپنی خوفناک دنیا میں اپنے بیٹے کو سب سے زیادہ طاقتور اور وحشت ناک دیکھنا چاہتی تھی۔ اِس لئے اُس نے کئی سالوں کے خوفناک عملوں سے روحیل کے اندر وہ شیطانی قوتیں پیدا کیں جس نے اُسے انسانی خون کا پیاسا بنادیا۔

"اِس دنیا میں آسیبوں کی ایک وسیع تعداد کئی روپ دھارے انسانوں کے

ساتھ رہتی ہے۔ جن کی مختلف قسمیں ہیں۔ صرف ایک قسم ایسی ہے جو انسانوں کو نگل لیتی ہے اور وہ ہے۔ ولہان۔ اور روحیل کے آسیبی روپ کا اِس قسم سے کوئی واسطہ نہیں۔

"صائم اِس وقت اتنی کمزور ہے کہ میں ایک عمل سے اِسے اِس کی شیطانی قوتوں سمیت اُس خالی کوٹھی میں قید کردوں گا جس کوٹھی میں آج سے بیس سال پہلے اس نے زیب کو مارا تھا۔ اِس طرح سے روحیل کے آسیبی روپ سے شیطانی قوتیں ہمیشہ کے لئے الگ ہوجائیں گی اور وہ اُسی انداز میں جئے گا جو اُسے خدا نے عطا کیا ہے۔

"دِن میں یہ انسان کے روپ میں تم لوگوں کے ساتھ خوش رہے گا لیکن جونہی رات ہوگی یہ تم انسانوں کی دنیا سے غائب ہوکر اپنی آسیبی دنیا میں چلا جائے گا۔ اِسے انسانی خون سے کوئی غرض نہیں ہوگی۔"

اقصیٰ اور ارسل نے باباواسی شاہ کی یہ بات سُنی تو انہیں لاشعوری طور پر ایک اطمینان سا ہوگیا۔ انہوں نے قدرت کے اِس سچ کو خوشی سے قبول کرلیا۔ اُنہیں خوشی اِس بات کی تھی کہ باباواسی شاہ کے اِس عمل سے لوگ روحیل کی شیطانی قوتوں کے شر سے محفوظ ہوجائیں گے اور روحیل کو کبھی خود سے نفرت نہیں ہوگی۔ وہ اپنے اِس دوہرے روپ کے ساتھ اطمینان سے جی سکے گا۔

روحیل ابھی تک باباواسی شاہ کے عمل میں تھا۔ وہ اُسی کیفیت میں آنکھیں بند کئے پتھر کے بت کی طرح بیٹھا ہوا تھا۔

اور صائم باباواسی شاہ کی بات سُن کر انتہائی طیش میں بھیانک انداز میں غراتی ہوئی انتہائی تیزی سے اُس نوری ہالے میں چکر کاٹ رہی تھی۔ صائم غصے میں اس طرح چکر کاٹ رہی تھی کہ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ بھیانک ڈائن اس نوری ہالے سے باہر آجائے گی۔

لیکن بابا داسی شاہ کے چہرے پر انتہائی اطمینان تھا جس سے اقصیٰ اور ارسل کے حوصلے بھی بلند تھے۔

بابا داسی شاہ نے اپنے تھیلے سے ایک پوٹلی نکالی اور اُس پوٹلی کو کھول کے سلور کے ایک بڑے سے برتن میں الٹا دیا۔ اُس پوٹلی سے سانپ کی کینچلی کی بنی ہوئی گولیاں ٹپ ٹپ کرکے اُس سلور کے برتن میں گر گئیں۔ گولیوں پر بابا داسی شاہ نے کوئی خاص عمل پڑھا ہوا تھا۔

سلور کا یہ تھال لے کر بابا داسی شاہ روحیل کی طرف بڑھے انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے وہ تھال پکڑا اور اُسے روحیل کے سر کے گرد ایک چکر دیا۔ اُس تھال میں سانپ کی کینچلی سے بنی ہوئی گولیوں میں آگ بھڑک اٹھی۔

بابا داسی شاہ نے فوراً آگ میں بھڑکتا ہوا وہ تھال اپنی جانب موڑا اور اُسے صائم کی سمت میں زمین پر رکھ کے بیٹھ گئے۔

انہوں نے اُس آگ میں بھڑکتے ہوئے تھال پر اپنے دونوں ہاتھ اکڑا لیے اور اپنی آنکھیں بند کرکے ایک ایسے عمل میں داخل ہو گئے جس میں اُن کی جان کو بھی خطرہ تھا لیکن اُنہیں اپنی روحانی اور نوری طاقتوں پر اعتماد تھا کہ شیطانی طاقتیں اُس پر غالب نہیں آسکتیں۔ وہ اپنی نوری قوتوں سے صائم جیسی چڑیل کو اُس کی شیطانی طاقتوں سمیت اِس ہالے سے اُس کوٹھی تک اُڑا لے جائیں گے۔

وہ ہونٹوں کی تیز جنبش کے ساتھ اپنا عمل پڑھ رہے تھے۔ اِس عمل میں اُن کی ذہنی قوت اتنی صرف ہو رہی تھی کہ اُن کی پیشانی کی رگیں اِس طرح پھڑک رہی تھیں کہ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ رگیں پھٹ جائیں گی اور بابا داسی شاہ اپنی زندگی کو کھو دیں گے۔

صائم نوری علم کے اُس ہالے میں غصے اور انتقام کے الاؤ میں تڑپ رہی تھی۔

بابا داسی شاہ کے عمل سے صائم کی قوتِ گویائی واپس آگئی تھی۔

انتہائی غصے اور طیش میں اُس کے حلق سے اتنی خوفناک آوازیں اُبھرنے لگیں کہ ہر طرف ایک دہشت پھیل گئی۔ وہ خوفناک آواز میں چنگھاڑنے لگی۔

"تو انسان ہو کر میرے مقابلے میں نہ آ۔ تیرے وجود کو راکھ بنا کر اِس فضا میں بکھیر دوں گی۔ ابھی بھی وقت ہے۔ اپنی اور اور اِن دونوں کی زندگی بچالے۔ مجھے اِس نوری ہالے سے رہا کردے۔ میں تمہیں معاف کردوں گی۔"

صائم کی خوفناک آواز رات کے سناٹے میں چاروں طرف گونج رہی تھی لیکن بابا داسی شاہ ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ وہ اپنے عمل میں مکمل مگن تھے۔

چند ہی ساعتوں میں بابا داسی شاہ کے ہونٹوں کی جنبش مزید تیز ہوئی پھر یک لخت انہوں نے اُس آگ میں پھونکا جس سے پوری فضا صائم کی چیخ و پکار سے گونج اٹھی جیسے اُس کے گرد نہ دکھائی دینے والی آگ بھڑک اٹھی ہو۔ اُس کی خوفناک چیخ و پکار میں بابا داسی شاہ نے اپنا عمل جاری رکھا۔ چیخ و پکار کے ساتھ ساتھ صائم کے حلق سے خوفناک آوازیں ابھر رہی تھیں۔ جس سے ہر طرف ایک دہشت چھائی ہوئی تھی۔

کافی دیر کے بعد بابا داسی شاہ نے اُس آگ میں دوبارہ پھونکا تو صائم کے گلے سے ایسی بھیانک غراہٹ کی آواز اُبھری کہ اقصیٰ اور ارسل کے دِل دہل گئے۔ اُس کی اِس غراہٹ میں ایک ایسی گونج تھی کہ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ گرج ہر طرف سے آرہی ہو۔ سب سے زیادہ زمین سے۔

وہ تینوں ابھی اِس گرج کو محسوس ہی کر رہے تھے کہ یک لخت زمین زلزلے کی کیفیت میں ہلنے لگی۔ اقصیٰ اور ارسل اِس جھٹکے سے منہ کے بل گرے۔ جبکہ بابا داسی شاہ اُس آگ پر اپنے دونوں ہاتھ اکڑائے اپنے عمل میں مگن تھے۔

کسی ناگہانی آفت کے زیرِ اثر زمین کی یہ کیفیت صرف اُن کے لان میں ہی تھی جہاں وہ سب موجود تھے۔ صائم کی خوفناک آواز کے ساتھ زمین کو ایک اور جھٹکا لگا۔

بس سے یک لخت اُس نوری ہالے کے گرد جس میں صائم اپنی شیطانی طاقتوں سمیت قید تھی۔ زمین پر دڑار پڑنا شروع ہو گئی۔

بابا واسی شاہ تیز تیز مسلسل پڑھ رہے تھے۔ جونہی دڑار پڑی انہوں نے فوراً اُس آگ میں پھونکا تو بس ایک قیامت خیز منظر ہو گیا۔

سفید غبار کا ایک بھنور اُس نوری ہالے میں داخل ہوا اور اُس نے صائم کو اپنی گردش میں لے لیا۔ اُس بھنور کے آگے صائم کا وجود اتنا خفیف ہو گیا کہ وہ کاغذ کے ایک ٹکڑے کی مانند اُس بھنور کے چکروں میں گھومنے لگی۔

بہت دیر تک صائم کا وجود ایک خوفناک آواز کے ساتھ اُس بھنور میں گھومتا رہا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اُس کا بھیانک وجود نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ جس کے ساتھ سفید غبار کا وہ بھنور بھی غائب ہو گیا۔

خوفناک آوازوں کا دہشت ناک شور ایک ہی ساعت میں ختم ہو گیا۔ ہر طرف ایک سکوت چھا گیا۔

بابا واسی شاہ کے نوری علم سے مافوق الفطرت مخلوق کی شیطانی طاقتوں کا ایک عذاب ٹل گیا۔

صائم اپنی شیطانی طاقتوں سمیت اُسی کوٹھی میں قید ہو گئی جہاں اُس نے زیب کو مارا تھا۔

بابا واسی شاہ نے اطمینان کا ایک لمبا سانس لیا اور اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے۔ روحیل بھی اُن کے عمل سے باہر آ چکا تھا۔ جو کچھ ہوا۔ وہ اُس سے آشنا تھا۔

۔ بابا واسی شاہ کے عمل میں وہ کسی چیز سے بے خبر نہیں رہا۔ بابا واسی شاہ نے اقصیٰ اور ارسل کی طرف دیکھا۔ ”صائم اپنی شیطانی طاقتوں سمیت اُس کوٹھی میں قید ہو گئی ہے۔ جہاں اُس نے زیب کو اُس کی زندگی سے محروم کر دیا تھا۔ وہ ساری زندگی اُس خالی کوٹھی میں بھٹکتی رہے گی۔“

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

بابا واسی شاہ کی آنکھیں دہکتے انگاروں کی طرح سلگ رہی تھیں اور ان کے دماغ اور اعصاب پر اتنی تھکن تھی کہ اُن کے پورے جسم میں اینٹھن سی تھی۔

اقصیٰ بابا واسی شاہ کے قریب آئی۔ ”ہمارے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں کہ ہم آپ کا شکریہ ادا کریں۔ آپ نے اپنی زندگی کو مصیبت میں ڈال کر ہمیں اتنے بڑے عذاب سے بچا لیا ہے اور روحیل کو اُس کے بھیانک روپ سے نجات دلا دی ہے۔“

”میرا شکریہ ادا نہ کرو۔ اُس خُدا کا شکر ادا کرو۔ یہ سب اُسی کے کلام کی برکت ہے۔ میں تو ایک عام سا انسان ہوں۔“ بابا واسی شاہ نے بہت دھیمے سے انداز میں کہا۔ ارسل اور روحیل بھی بابا واسی شاہ کے قریب کھڑے ہوئے تھے۔

روحیل کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔ اُس نے آسمان کی طرف دیکھا۔ ”شکر ہے میرے خُدا کا کہ اب میرے ہاتھ کسی کے خون میں نہیں رنگیں گے۔“

پھر اُس نے اپنی بھیگی ہوئی نگاہوں سے اقصیٰ اور ارسل کی طرف دیکھا۔ ”دیکھو! تم لوگوں کے خلوص نے مجھے آج کہاں سے کہاں لا کھڑا کیا ہے۔ تم لوگوں کے خلوص میں کوئی کمی نہ آئے تو میں ہر روپ میں خوشی سے زندہ رہ لوں گا۔ آدھا انسان ہی سہی لیکن پوری محبتوں کے ساتھ جینا چاہتا ہوں۔ جن میں سب سے پیارا نام میری ماں کا ہے۔ جنہوں نے بیس سال تک میرا انتظار کیا اور پھر تم دونوں کا۔“

روحیل کی باتیں سن کر اقصیٰ اور ارسل کی آنکھوں میں بھی نمی تیر رہی تھی۔

اقصیٰ روحیل سے بات کرنے لگی تو ایکدم روحیل اُن تینوں کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

اقصیٰ اور ارسل نے گھبرا کر بابا واسی شاہ کی طرف دیکھا تو انہوں نے انگلی سے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔

اقصیٰ اور ارسل نے تیزی سے اوپر کی طرف دیکھا تو ایک آگ کا انگارہ تیزی سے آسمان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اُن دونوں نے سوالیہ نظروں سے بابا واسی شاہ کی

طرف دیکھا۔ تو باباواسی شاہ نے بہت تحمل سے کہا۔

"روحیل آسیب کا روپ دھار چکا ہے۔ اس لئے وہ اپنی دنیا میں چلا گیا ہے۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ صبح ناشتے میں انسان کے روپ میں وہ تمہارے بیچ موجود ہوگا۔"

☆ ========☆========= ☆

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

☆ ہماری نئی مطبوعات ☆

ایم اے راحت

○ دھند	(دو جلدیں)	۳۰۰/-
○ نایاب		۱۰۰/-
○ احساس		۸۰/-
○ دہشت کدہ		۱۲۰/-
○ آسیب		۱۷۵/-
○ سوکھے گلاب		۱۸۰/-
○ کھلاڑی		۲۲۵/-
○ سرفروش	(دو جلدیں)	۳۲۰/-
○ رازداں	(دو جلدیں)	۳۰۰/-
○ سامون	(تین حصے)	۱۵۰/-
○ سمندر کا بیٹا	(تین حصے)	۱۵۰/-
○ جھرنے	(تین حصے)	۱۵۰/-
○ باغی	(دو حصے)	۸۰/-
○ شہ زور	(دو حصے)	۱۰۰/-
○ ہمالیہ	(چار حصے)	۲۰۰/-
○ بساط	(چار حصے)	۲۰۰/-
○ پارس		۵۰/-
○ پرواز		۵۰/-
○ خون آشام		۵۰/-

علیم الحق حقی

○ عشق کا شین	۱۳۵/-
○ شناخت	۲۰۰/-
○ اماوس کا دیا	۱۵۰/-
○ ببول	۱۵۰/-
○ پرماتما	۱۶۰/-
○ تاش کے پتے	۱۵۰/-
○ ہٹلر کی واپسی	۱۲۰/-
○ آنکھوں میں دھنک	۸۰/-
○ میر کارواں	۹۰/-
○ کلاکار	۱۰۰/-
○ برف کے بات	۱۰۰/-
○ انسانی قیامت	۱۰۰/-
○ زنداں نامہ	۱۰۰/-
○ طوفان کے بعد	۱۵۰/-
○ اچھوت	۸۰/-
○ ہزاروں خواہشیں	۱۰۰/-
○ لہو کے تاجر	۱۲۰/-
○ نسلوں کا قرض	۸۰/-
○ شب احتساب	۸۰/-
○ چہار درویش	۱۰۰/-
○ کار مسلسل	۱۰۰/-
○ تحریک مزاحمت	۱۰۰/-
○ چوتھی سمت	۱۰۰/-

علی میاں پبلی کیشنز

۲۰- عزیز مارکیٹ اردو بازار لاہور فون: ۷۲۴۷۳۱۴